سفر نامہ
ریشم ریشم
http://www.pakistanconnections.com/ebooks
امجد اسلام امجد

(سفرنامہ)

امجد اسلام امجدؔ

امجد اسلام امجد

چین کہانی

۲۲ اگست ۹۱ء سے ۶ ستمبر ۱۹۹۱ء تک کل پندرہ دن بنتے ہیں اور ان میں سے بھی اگر دو دن آنے جانے کے نکال دیئے جائیں تو باقی تیرہ بچتے ہیں۔ اب تیرہ دنوں میں دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک تہذیب اور دور جدید کی ایک عالمی قوت' عوامی جمہوریہ چین کے بارے میں یہ کہنا کہ میں نے اسے اچھی طرح سے دیکھ اور سمجھ لیا ہے' محض ایک بچگانہ بات ہوگی' یوں بھی کسی سرکاری وفد کے ساتھ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت کیا جانے والا سفر نیم سفر ہی رہ جاتا ہے کہ اس میں آپ زیادہ تر وہی کچھ دیکھتے ہیں جو آپ کو دکھایا جاتا ہے۔

پاک چین دوستی کے بہت سے مظاہر میں سے ایک' ادیبوں کے وفود کا تبادلہ بھی ہے جو اب گزشتہ کئی برسوں سے ایک مستقل روایت کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ایک برس وہاں سے وفد آتا ہے اور اگلے برس ادھر سے کچھ لوگ بھجوائے جاتے ہیں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ دونوں ملک اس ثقافتی تبادلے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر برس وفد کے ممبران کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پہلا وفد دو ارکان کا تھا اور ہماری پارٹی آٹھ لوگوں پر مشتمل تھی۔

میری خواہش تھی کہ یہ کتاب جلد از جلد قارئین تک پہنچ جائے مگر میری مصروفیات کچھ ایسی رہیں کہ اسے مکمل ہونے میں تقریباً ایک برس لگ گیا۔ میں نے اسے کسی اخبار یا رسالے میں قسط وار اس لیے نہیں لکھا کہ اس سے بیان میں ایک سرسری پن پیدا ہو جاتا ہے اور ہر قسط کو دلچسپ بنانے کے لیے واقعات کو توڑنا مروڑنا اور بہت سی اہم باتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے جس کا نتیجہ ایک ایسی بے ترتیبی' عدم توازن اور سطحیت کی صورت میں نکلتا ہے کہ سفرنامہ' ڈائجسٹوں میں چھپنے والی ان سلسلہ وار کہانیوں جیسا ہو کر رہ جاتا ہے جن کی عمر صرف ایک شمارے تک محدود ہوتی ہے۔ استثناء کی گنجائش سے قطع نظر آج کل چھپنے والے زیادہ تر سفرناموں میں یہی صورت دیکھنے میں آ رہی ہے۔

ہوسکتا ہے وہ قارئین جنہوں نے میرا پہلا سفرنامہ ''شہر در شہر'' پڑھ رکھا ہے' موجودہ کتاب سے زیادہ مطمئن نہ ہوں کیونکہ نہ صرف

اس کا انداز تحریر خاصا مختلف ہے بلکہ اس میں کردار بھی "شہر در شہر" کی نسبت بہت کم ہیں۔ سفر کی نوعیت کے پیش نظر بیان میں اس اضافی دلچسپی کی گنجائش بھی کم کم تھی جو کرداری مزاح اور متعلقہ لطائف سے پیدا ہو جاتی ہے لیکن ان سب کے باوجود میں نے حتی الممکن کوشش کی ہے کہ یہ سفری روداد آپ کے لیے نہ صرف قابل مطالعہ ہو بلکہ اس میں دلچسپی بھی قائم رہے۔ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب رہا ہوں اس کا فیصلہ آپ اس کتاب کے قارئین یعنی آپ کریں گے۔

آخر میں سب سے پہلے تو میں اپنے ہم سفروں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن کی معیت میں یہ پندرہ دن بہت ہی پر لطف گزرے اور ساتھ ہی ان سے ہر اس کمی بیشی کے لیے پیشگی معذرت بھی چاہوں گا جو اس بیان میں در آئی ہے۔ ظاہر ہے یادداشت کے حوالے سے جب بہت سی باتیں لکھی جاتی ہیں تو ان میں سیاق و سباق اصل الفاظ اور کہنے والے کے مافی الضمیر کی تفہیم میں چھوٹی موٹی فروگذاشتیں ہو سکتی ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ کسی بھی دوست کی ایسی بات کو جسے آف دی ریکارڈ رکھنا چاہیے تھا' بیان میں شامل نہ کروں لیکن یہاں بھی اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو دست بستہ معذرت خواہ ہوں کہ میرا مقصد کسی بھی صورت میں ان کی آڑ لے کر مزاح پیدا کرنا نہیں ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے دوستوں' غلام ربانی آگرو اور افتخار عارف کا شکریہ بھی واجب ہے کہ انہوں نے ہمارے سفر کو آرام دہ بنانے میں ہر ممکن کوشش کی اور پاکستان کے وقار کو بلند کرنے کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے نبھایا۔

اجمل خٹک کی سادگی' محبت اور احباب کی دلدہی' ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی عالمانہ مگر دلچسپ صحبت' اے اے بروہی کی سرتاپا محبت میں ڈوبی ہوئی دلاویز شخصیت اور انسانیات کا وسیع مطالعہ اور مشاہدہ' پروفیسر نواز طائر کی سدابہار مسکراہٹ منیر نیازی کی خوبصورت باتیں اور منفرد طبیعت' عزیز بگٹی کی کم گوئی مگر مستعد اور فعال انتظامی صلاحیت اور حسن رضوی کی خوش باشی' خوشنما اور متحرک تصوروں کا وہ حسین البم ہے جو میری یادوں کے شیلف پر ہمیشہ سجا رہے گا اور جب بھی میں اسے کھولوں گا تو اس کی جلد سے موسیقی کی جگہ بروہی صاحب کی آواز گونجا کرے گی۔۔۔۔۔۔۔۔"بیوٹی فل"

◆◆◆

چین میں پندرہ دن

چین کے ساتھ میرا پہلا تعارف پتہ نہیں سکول کی کس کلاس میں ہوا تھا' جغرافیہ کبھی میرا پسندیدہ مضمون نہیں رہا' اس لئے مجھے کبھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس ملک کا محل وقوع' حدود اربعہ' آب وہوا اور طول بلد عرض بلد وغیرہ کیا کیا ہیں اور کیوں ہیں لیکن چینیوں سے میرا تعارف بہت پرانا ہے پہلا چینی جس سے میری واقفیت ہوئی ایک عجیب وغریب کردار تھا' اس کا نام "سنگ ہی" تھا یہ ایک دبلا پتلا چھ فٹ لمبا شخص تھا جو اس قدر پھرتیلا اور چالاک تھا کہ بیک وقت دو ریوالوروں سے چلنے والی گولیوں سے اچھل کود کر اور اپنے جسم کی مختلف حرکات وسکنات کے ذریعے بچ جاتا تھا' مشکل سے مشکل بندھنوں سے آزاد ہو جاتا تھا۔ زبردست شیطانی ذہن کا مالک تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے ہیرو علی عمران کا استاد تھا اور عمران نے اسی سے وہ سنگ آرٹ سیکھا تھا جس کے باعث وہ اکثر خطرناک سچوایشنز سے مکھن سے بال کی طرح گزر جاتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جن لوگوں نے مرحوم ابن صفی کو میری طرح پڑھا ہے ان کے لئے یہ باتیں قطعاً اجنبی نہیں ہوں گی' ابن صفی کے جاسوسی ناولوں نے 1950ء سے 1975ء تک کے پچیس برسوں میں جو مقبولیت حاصل کئے رکھی وہ اپنی مثال آپ ہے یہ اور بات کہ ہمارے ادب کے بزرجمہر اور تنقید کے ابولہولوں نے اسے ہمیشہ ٹکسال باہر ہی رکھا میرے نزدیک وہ ایک بہت اچھا نثر نگار تھا اور اس نے حمید' قاسم اور عمران کے ذریعے جو مزاحیہ کردار تخلیق کئے اور اس حوالے سے جو عمدہ اور شگفتہ مکالمے لکھے وہ اردو کے بیشتر سکہ بند ادب سے کہیں اچھے ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے چیئرمین غلام ربانی آگرو نے جب فون پہ یہ اطلاع دی کہ میرا نام اس برس چین جانے والے ادبی وفد میں شامل کر لیا گیا ہے اور 22 اگست کو ہمیں کراچی سے بیجنگ کے لئے روانہ ہونا ہے تو چند لمحوں کے لئے مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا' گزشتہ چند برسوں میں امریکہ' کینیڈا' برطانیہ' فرانس' ناروے' بھارت' متحدہ عرب امارات' قطر' مسقط اور سعودی عرب کی سیاحت کرنے کے بعد اب سفر کا وہ شوق تو نہیں رہا جو ابتدا میں ہوا کرتا تھا لیکن چین اور روس دو ملک ایسے ہیں جنہیں دیکھنے کی خواہش میرے دل میں ہمیشہ جوان رہی ہے' چین کا معاملہ تو کچھ ایسا ہے کہ گزشتہ تین برسوں میں کئی بار وہاں جانے کے امکانات روشن اور معدوم ہوتے رہے ہیں۔ 1987ء میں چینی ٹی وی پر میرے ڈرامہ سیریل "وارث" کو چینی زبان میں ڈب کرنے کا منصوبہ شروع ہوا۔ ریڈیو بیجنگ کی اردو سروس کے لئو شوئی لین کو ترجمے کا کام سونپا گیا اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مختلف مشکلات کے حل کے لئے

انہوں نے مجھ سے رجوع کرنا شروع کیا۔ان کا کہنا تھا کہ پاکستان ٹی وی کے متعلقہ شعبے کے لوگ یا تو انہیں مطلوبہ معلومات فراہم نہیں کرتے یا غلط اور غیر ضروری مواد بھیجتے دیتے ہیں اس کی ایک مثال یہ تھی کہ چین میں وارث کی کہانی کو بچوں کے ایک کامک کے طور پر بھی تصویری کتاب کی شکل میں تیار کیا جارہا تھا جس کے لئے چینی مصوروں کو ڈرامے کے کرداروں کے کلوزاپ اور سیٹس کی تصویریں چاہئیں تھیں کئی کئی بار کی یاددہانیوں اور وضاحتوں کے باوجود ہر بار ٹی وی والے چند کرداروں کی تصویروں کا ایک نامکمل بنڈل بھجوادیتے تھے جن میں سیٹ کی کوئی تصویر نہیں ہوتی تھی جو کہ چینی مصوروں کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی تھیں' آخرکار یہ تصویریں مجھے ذاتی کوشش سے حاصل کر کے بھجوانا پڑیں۔ پھر پتہ چلا کہ پروڈیوسر نصرت ٹھاکر' فنکاروں' محبوب عالم' عظمیٰ گیلانی اور عابد علی اور مصنف یعنی مجھ پر مشتمل ایک گروپ چین میں ڈرامے کی پیشکش کے دنوں میں بھیجا جائے گا اس کے بعد رائٹر' پروڈیوسر اور ایک فنکار پر مشتمل وفد کی خبر اڑی مگر آخر میں ہر خبر کے وہ وہ پرزے اڑے کہ ہم دیکھتے بھی رہے اور تماشہ بھی ہوا۔

پاکستان اور چین کی مضبوط اور مثالی دوستی ہماری قومی تاریخ اور خارجہ پالیسی کا ایک خوبصورت سنگ میل تو ہے لیکن چین اور پاکستان کے عوام میں ایک دوسرے کے لئے محبت کا غیر معمولی جذبہ پایا جاتا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے جس طرح ترکی کے لوگ خلافت تحریک کے دنوں میں برصغیر کے مسلمانوں کے جذبہ اخوت ومحبت کی وجہ سے آج تک پاکستانیوں سے غیر معمولی محبت کرتے ہیں اسی طرح پاکستانی عوام بھی 65ء کی جنگ میں چین کی مدد اور دوستی کے اظہار کو نہیں بھولے چین کے کھلے دروازے کی پالیسی اختیار کرنے کے سلسلے میں پاکستان نے جو کردار ادا کیا چینی عوام کے دلوں میں بھی اس کا بہت احترام ہے یعنی محبت کی یہ آگ دونوں طرف برابر لگ اور جل رہی ہے۔

آگرو صاحب نے بتایا کہ اس بار نسبتاً بڑا گروپ بھیجا جا رہا ہے اور چاروں صوبوں سے آٹھ ادیب اور شاعر منتخب کئے گئے ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

صوبہ سرحد سے اجمل خٹک جو گروپ کے لیڈر بھی ہوں گے اور پروفیسر محمد نواز طائر۔ صوبہ سندھ سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور علی احمد بروہی۔ صوبہ بلوچستان سے عزیز بگٹی۔ اور پنجاب سے منیر نیازی' حسن رضوی اور امجد اسلام امجد۔

اجمل خٹک اور عزیز بگٹی کے علاوہ اس وفد کے تمام ارکان سے میری پہلے سے ملاقات تھی اور نواز طائر صاحب سے پشاور اور اسلام آباد کی اکثر ادبی اور تعلیمی محفلوں میں ملاقات ہوتی رہی ہے البتہ علی احمد بروہی صاحب سے صرف ایک ہی ملاقات تھی اور وہ بھی بہت سرسری سی کہ ہم ٹی وی کے ایک مذاکرے میں ایک ساتھ شریک ہوئے تھے۔ پروگرام کا نام غالباً ''روبرو'' تھا البتہ کمپیئر یقینا

انور حسین تھے' اس سرسری ملاقات پر کسی بہت ہی استاد کا ایک شعر یاد آ رہا ہے فرماتے ہیں۔

سرسری ان سے ملاقات ہے گاہے گاہے
بزم اغیار میں گاہے سر راہے گاہے

ان ہم سفروں کا مفصل تعارف میں آگے چل کر کراؤں گا فی الوقت تو 21 اگست کی صبح کا ذکر سنیئے' طے یہ پایا تھا کہ سب لوگ کراچی جمع ہو جائیں جہاں سے 22 اگست کو صبح نو بجے ہماری فلائٹ کو چین کے لئے روانہ ہونا تھا لاہور ایئر پورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں برادر عزیز افتخار عارف جواب اکادمی ادبیات پاکستان کا ڈائریکٹر جنرل ہے اپنے لاہور کے دفتری رفقاء قاضی جاوید اور جمیل احمد کے ساتھ ہمارا منتظر تھا ارد گرد بیٹھے ہوئے وی آئی پی پر نظر دوڑائی تو پتہ نہیں کیوں اپنے معاشرے کی بے ترتیبی اور غلط بخشی ایک مجسم سوال بن کر سامنے کھڑی ہو گئی اپنا آپ کچھ اجنبی سا محسوس ہونے لگا' ذہن پر بہت زور دیا بہت سوچا تو اس تفریق کی کوئی قابل ہضم وجہ سمجھ میں نہیں آئی' کیا واقعی محمود و ایاز کبھی ایک ہی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے؟

حسن رضوی سب سے آخر میں آیا مگر کچھ ایسے کہ چہرے پر ہر طرف پریشانی ہی پریشانی تھی۔ معلوم ہوا کہ وی آئی پی لاؤنج والے اس کے اہل خانہ اور دیگر کو خدا حافظ کہنے کے لئے آنے والے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اندر نہیں آنے دے رہے' استقبالیہ کاؤنٹر پر میرے یونیورسٹی کے زمانے کے دوست نیر خورشید کی ڈیوٹی تھی سو اس نے کاؤنٹر پر سیکورٹی والوں کی سوالیہ نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے سب لوگوں کو اندر بلا لیا ماحول ایک دم گھریلو سا ہو گیا' میں نے بھابی کو بتایا کہ امریکہ جاتے ہوئے جمیل الدین عالی کی بیگم نے مجھے ہدایت کی تھی کہ ''واپسی پر مجھے میرے میاں کی جملہ حرکات کی رپورٹ دینا'' آپ کا کیا حکم ہے؟

بھابی نے حسن کی طرف خالص بیویانہ انداز میں دیکھا اور بالکل پریس نوٹ کے انداز میں کہا:

''مجھے اپنے میاں پر پورا بھروسہ ہے۔''

حسن نے کہا' تم تخریب کاری کی کوشش نہ کرو' یہاں تمہاری دال نہیں گلے گی' البتہ میں واپسی پر اپنی بھابی کو ضرور تمہاری مکمل رپورٹ دوں گا۔

افتخار عارف نے کہا اللہ دونوں کی بیویوں پر رحم کرے۔

اس پر مجھے امریکن فلم کا ایک کردار بہت یاد آیا جس نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

I have never been unfaithful to my wife, in the same city

اتنے میں اختر سعید مسکراتے ہوئے دکھائی دیئے اپنے مخصوص انداز میں دونوں بازو پھیلا کر ملے' موصوف ان سی ایس پی

افسروں میں سے ہیں جن کے پاؤں زمین پر اور گردن سریئے سے خالف ہے گزشتہ تین چار برسوں میں اچانک شاعری کی طرف متوجہ ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عدد مجموعہ بھی تیار کر لیا نمونے کی کاپی ان کے پاس تھی شاعری کا انداز بھی کلاسیکی ہے اور مجموعے کا نام بھی ماضی سے رشتہ آرائی یعنی" دیوان اختر"

کسی نے کہا آپ افسر لوگ اپنا کام کریں ہم شاعروں کے چھابے میں کیوں ہاتھ ڈال رہے ہیں ہم نے کبھی آپ کی کرسیوں کی طرف دیکھا ہے؟

اختر سعید بولے بھائی میں کوئی باقاعدہ شاعر نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے اس کا دعویٰ ہے یہ تو بس ایک طبیعت کی روتھی آئندہ شاید آپ لوگ مجھے شاعری کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھیں گے' اختر سعید اپنی شاعری کے محرکات پر روشنی ڈال رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا یہ عجیب قلندر آدمی ہے نہ افسروں میں افسر بنتا ہے نہ شاعروں میں شاعر' جبکہ ہمارے ایک اور دوست کو ساری عمر یہ شکوہ رہا کہ وہ شاعروں میں افسر اور افسروں میں شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

ہمارے ایک بزرگ شاعر دوست ایک دن دوستوں کی محفل میں شکوہ کر رہے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا میں اپنے گھر والوں کی ہر ممکن خدمت اور دیکھ بھال کرتا ہوں ہر طرح کی آسائش ان کے لئے میں نے مہیا کی ہے مگر پتہ نہیں کیوں مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میرے گھر والے مجھے پسند نہیں کرتے۔

ان کے قریب بیٹھے ہوئے ایک نوجوان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"یہ شخص آپ کا خیال ہے کہ آپ کے گھر والے آپ کو پسند نہیں کرتے باہر والے بھی آپ کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہوں۔" پتہ نہیں کس طرح گفتگو کا رخ شاعری کے انگریزی تراجم کی طرف مڑ گیا منیر نیازی نے بتایا کہ گزشتہ دنوں انہیں ایک ہم عصر شاعر اپنے انگریزی تراجم پر مشتمل کتاب دے گئے منیر کے بقول شاعر کا ترجمہ اصل سے بھی برا تھا سو انہوں نے چند صفحے دیکھ کر کتاب کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کا مشورہ ایک انگریز نقاد نے اپنے تبصرے میں دیا تھا۔" یہ کتاب ایسی نہیں کہ اسے پڑھ کر آرام سے رکھ دیا جائے بلکہ یہ اس قابل ہے کہ اسے گھما کر زور سے دیوار مارا جائے۔"

منیر نیازی نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا" میں نے وہ کتاب ایک فقیر کو دے دی اور اسے ردی میں بیچ کر چار پیسے کما لے مگر اگلے دن وہ آ کر کتاب واپس دے گیا۔"

کراچی ایئر پورٹ پر اکادمی ادبیات کے مقامی ریذیڈنٹ ڈائریکٹر ہمارے استقبال کو موجود تھے معلوم ہوا کہ ہماری رہائش کا

انتظام ایئر پورٹ پر واقع ایک ہوٹل میں کیا گیا ہے سبب اس کا ہماری سہولت بتایا گیا حالانکہ میرا خیال ہے اس میں زیادہ سہولت منتظمین کی تھی۔ اکادمی کے اکاؤنٹ آفیسر شیر محمد اپنی ساری ایفی شینسی کے ساتھ اسلام آباد پہنچ چکے تھے اور بڑی پھرتی سے اپنے انتظامی امور نمٹا رہے تھے معلوم ہوا کہ آ گرو صاحب ہمیں سی آف کرنے کے لئے شام کی فلائٹ سے پہنچ رہے ہیں اور رات کا کھانا چینی قونصل جنرل کی طرف سے ان کے قونصل خانے میں ہوگا جو کہ کلفٹن کے علاقے میں کہیں واقع ہے۔

کمرے پہنچ کر بہت سے دوستوں کے نمبر آپریٹر کو دیئے اور کہا کہ ان سے باری باری بات کرا دو اور اتنے سارے نمبر ایک ساتھ لکھنے کے دوران آپریٹر کی آواز کی مخصوص اور مصنوعی بشاشت آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی اور پھر اس کی جگہ ایک ایسی سرد مہری نے لے لی کہ ریسیور رکھنے سے پہلے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص نمبر نہیں ملائے گا' سو وہی ہوا دو تین بار یاد دہانی کرائی ہر بار یہی جواب ملا کہ کوشش کر رہا ہوں میں نے حسن رضوی کے کمرے کا نمبر بتا کر اپنا نام بتایا اور کہا کہ میرا کوئی فون آئے یا تمہیں کوئی نمبر مل جائے تو وہاں بات کرا دینا نام سنتے ہی اس کی آواز میں ایک دم چمک سی پیدا ہوئی بولا' آپ وہی ہیں وارث ڈرامے والے' میں نے کہا ''ہاں'' بولا میں آپ کے سب ڈرامے شوق سے دیکھتا ہوں آپ فون رکھیئے میں آپ کے سارے نمبر ملواتا ہوں۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے نمبر ملنے شروع ہو گئے اور میں نے دل میں خدا کا ایک بار پھر لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے ہمارے لکھے ہوئے لفظوں کو یہ عزت بخشی کہ لوگ ان کے طفیل ہمیں سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

یار عزیز اشرف (شاہین) سے بات ہوئی اس کہا میں تمہارے فون کا ہی انتظار کر رہا تھا اس منٹ میں پہنچتا ہوں میں نے کہا اختر جعفری گھر پہ نہیں ہے اس کے دفتر فون کر کے اسے بھی بتا دو کیونکہ ''وقت کم ہے اور مقابلہ سخت''

اشرف بولا' چلو تمہارے آنے کا ایک فائدہ تو ہوتا ہے کہ کچھ منتشر کہ دوستوں سے ملاقات ہو جاتی ہے ورنہ یہ کراچی شہر تو ایسا ظالم ہے کہ ہمسایوں سے ملے مہینے ہو جاتے ہیں اب یہی دیکھو لو اختر شاہ کے اور میرے گھر میں ایک فرلانگ سے کم کا فاصلہ ہے اور ہماری گزشتہ ملاقات چار مہینے پہلے تمہارے آنے پر ہوئی تھی تشنہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔

اشرف نے شاید اس کے بعد بھی کچھ کہا مگر میرا دماغ جیسے سن سا ہو گیا یہ تصور کہ عالمتاب تشنہ' میرا عزیز دوست اور اردو غزل کا ایک بہت باکمال شاعر اس بار کراچی میں نہیں ہوگا بلکہ اس روئے زمین پر کہیں بھی نہیں ہوگا' ایسا تکلیف دہ تھا کہ میں باوجود بہت کوشش کے اس کے ساتھ سمجھوتہ نہ کر سکا اس کی وفات سے چند گھنٹے پیشتر ہم پہلے اشرف کے دفتر میں اور پھر اختر جعفری کے گھر پر کم و بیش سارا دن ہی اکٹھے رہے شعر و شاعری' گپ بازی' سیاسی تبصرے کراچی کا ماحول اور مستقبل کے خواب' بے شمار موضوعات پر ہم

نے باتیں کیں' اس وقت کے پتہ تھا کہ یہ یار دلنواز جو اس وقت شیکسپیئر کے ڈرامے Mid Summer Night Dream کے اپنے ہی کئے ہوئے منظوم ترجے ''خواب نیم شب'' کی اشاعت کے منصوبے بنا رہا ہے کچھ دیر میں خود خواب میں بدل جانے والا ہے' اس کا ایک زندہ جاوید شعر ہے۔

یہ اک اشارہ ہے آفات ناگہانی کا
کسی جگہ سے پرندوں کا کوچ کر جانا

عالمتاب تشنہ بھی ایک خوش نما اور خوش گلو طائر جو ان فضاؤں سے کوچ کر گیا خدا کرے اس کے شعر کا باقی حصہ ایک وارننگ ہی رہے' حقیقت نہ بن پائے اس کی روح غیب کے ان منطقوں میں رہے جہاں خدا کی رحمتیں قیام کرتی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد آپریٹر علی حسن کا نمبر ملا دیا پتہ چلا کہ موصوف حکیم محمد سعید کے ''مدینۃ الحکمت'' کے کسی کام کے سلسلے میں صبح سے نکلے ہوئے ہیں اور ابھی تک نہیں لوٹے' مجھے یاد آیا کہ ہمدرد فاؤنڈیشن والوں نے کوئی تین سال قبل پورے ملک سے اہل قلم اور دانشوروں کو اس عظیم منصوبے کے سنگ ہائے بنیاد رکھنے کے لئے جمع کیا تھا۔ ہم سب نے ایک ایک اینٹ رکھی تھی پھر سنا کہ حکیم صاحب نے ان تمام لوگوں کے نام ایک یادگاری چبوترے پر کندہ کروا دیے ہیں' علی حسن' حکیم محمد سعید کی ٹیم کا ایک بہت اہم اور سرگرم رکن ہے یاروں کا یار بھی ہے اور اپنے کام میں بے حد مستعد و ہوشیار بھی۔ وطن عزیز میں اہل ثروت کی کمی نہیں لیکن ان میں سے بہت کم اہل دل ہیں اور ان لوگوں کی تعداد تو انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے جو اپنی ذاتی حیثیت میں عوامی فلاح کے کسی ایسے بڑے منصوبے کا ڈول ڈالتے ہیں جیسا کہ حکیم محمد سعید نے کیا ہے۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ علی حسن کے گھر کے نمبر پر اس کے لئے پیغام چھوڑ دوں کہ آپریٹر نے اگلا نمبر ملوا دیا اور حسن اتفاق سے یہ ''ہمدرد'' کے ایک بڑے کاروباری حریف ''احمد فوڈ'' والوں کا تھا جس کے ڈائریکٹر ظفر محمود شیخ بھی ایک محبت کرنے والے دوست اور صاحب دل انسان ہیں دیگر بہت سے رفاہی کاموں کے لئے ساتھ ساتھ بچوں کے لئے ایک بہت خوبصورت رسالہ ''آنکھ مچولی'' نکالتے ہیں جس کا مقصد نونہالان قوم کی تعمیر اور ذہنی تربیت ہے ان کے اس غیر کاروباری عمل خیر کے حوالے سے ہی میں نے بھی اس کا اعزازی مشیر بننا قبول کیا تھا اور آج یہ پرچہ بچوں کا انتہائی پسندیدہ اور محبوب رسالہ ہے' ظفر صاحب نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

اچھا جناب یہ بتایئے کہ آپ چین تو جا رہے ہیں مگر وہاں کے کھانے پینے کے بارے میں بھی کچھ پتہ ہے یا نہیں؟

میں نے کہا بھائی ہم تو پاکستان میں رہتے ہوئے بھی چینی کھانے انتہائی رغبت سے کھاتے ہیں بولے' پاکستان جو چینی کھانے

آپ لوگ کھاتے ہیں وہ چینیوں کے لیے بھی اتنے ہی غیر ملکی ہیں جتنے آپ کے لئے' مناسب ہوگا کہ کچھ انتظام کر کے چلیں۔
میں نے کہا مثلاً' بولے مثلاً یہ کہ آپ کو کچھ پاکستانی کھانوں کے ڈبے بھجوا رہا ہوں' جہاں کہیں مشکل وقت پڑے استعمال کر لیجئے گا آپ تو اتنی دنیا گھومے ہوئے ہیں' اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیارِ غیر میں اپنی "خوراک" کا مزہ کچھ اور ہی ہو جاتا ہے' میں نے کہا' میں دوستوں سے مشورہ کر کے آپ کو بتاتا ہوں' آپ چندے توقف کیجئے۔
ظفر بولے یہ آپ کی اردو کچھ زیادہ گاڑھی نہیں ہوگئی۔
میں نے کہا' ظاہر ہے اب یہ "توقف" وغیرہ قسم کے الفاظ چین میں تو استعمال ہونے سے رہے' وہاں تو سنا ہے "ساری قوم چوتھے گیئر میں چل رہی ہے۔"
ظفر بولے یہ آپ کی اردو کچھ زیادہ گاڑھی نہیں ہوگئی۔
تھوڑی دیر بعد حسن رضوی سے بات ہوئی' بولا کھانے کے ڈبے ضرور منگواؤ' بلکہ زیادہ سے زیادہ منگواؤ' احمد والوں کی حلیم میں نے کھائی ہے' بہت اچھی ہوتی ہے۔ دیوارِ چین پر بیٹھ کے کھائیں گے۔
ابھی باقی ہم سفروں سے ملاقات بھی نہ ہو پائی تھی کہ ظفر صاحب کا بھیجا ہوا آدمی ایک بڑا سا پیکٹ لے کر پہنچ گیا پتہ چلا کہ حلیم' قورمہ' آلو قیمہ اور کوفتے کے چھ چھ ڈبے ہیں' پیکنگ کی خوبصورتی اور ڈبوں کے معیار کو دیکھ کر منیر نیازی نے ایک بار پھر اپنے اسی مخصوص انداز میں سر ہلایا اور حسن رضوی کے اس مشورے کی تائید کی کہ ہمیں ان ڈبوں کو سب ساتھیوں میں تقسیم کر دینا چاہیے تاکہ ایک اضافی "تنگ" اٹھانے سے بچت ہو جائے۔
رات کا کھانا' چینی قونصل جنرل کی طرف سے قونصلیٹ کی نئی عمارت میں تھا جو کلفٹن میں واقع تھی اکادمی کے لوگوں نے پرائیویٹ ٹیکسیاں منگوا رکھی تھیں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ہوٹل سے کلفٹن تک تقریباً چالیس منٹ کا سفر تھا اور کراچی کی ٹریفک میں چار گاڑیوں کا اتنے عرصے تک ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر چلنا بہت ہی مشکل کام تھا سو راستے میں مختلف پوائنٹ مقرر کئے گئے تاکہ بچھڑ جانے کی صورت میں دوبارہ بہم ہوا جاسکے' ہماری ٹیکسی نے ہر مقررہ پوائنٹ پر کچھ دیر باقی گاڑیوں کا انتظار کیا لیکن کسی ایک سے بھی رابطہ نہ ہوا لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود سب لوگ کم و بیش ایک ہی وقت میں قونصلیٹ کی عمارت میں داخل ہوئے۔
غلام ربانی آگرو نے اکادمی کے چیئرمین کی حیثیت سے ہم سب کا قونصل جنرل سے تعارف کروایا اور ہمارے علمی و ادبی فضائل کو کچھ ایسے دلنشین اور موثر انداز میں میزبان کے سامنے پیش کیا کہ بیٹھے بیٹھے ہم سب کے قد لمبے ہونے شروع ہوگئے' واقعی لفظ میں

بڑی طاقت ہے' چینی قونصل جنرل کی شکل ہمارے لاہور کے شنگھائی چینی ریسٹورنٹ کے مالک مسٹر لی سے بہت ملتی تھی منیر نیازی کا خیال تھا کہ اصل میں معاملہ الٹ ہے یعنی لی کی شکل قونصل جنرل سے ملتی ہے۔

کھانے پر اسی طرح کی باتیں ہوئیں جیسی کہ ایسے موقعوں پر ہوا کرتی ہیں ہمیں بتایا گیا کہ گذشتہ دنوں چین کے بہت سے صوبے سیلاب کی زد میں رہے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے مجوزہ پروگرام میں کچھ ردوبدل ہو جائے فی الوقت ہمیں چار شہر دکھائے جائیں گے بیجنگ' شنگھائی' ہانگ چاؤ اور سوچو۔

ان میں سے آخرالذکر دونام ہمارے لئے بالکل اجنبی تھے چنانچہ میزبان ہمیں زیادہ تر انہی کے بارے میں بتاتے رہے حسن رضوی کی صحافیانہ مستعدی یہاں بھی کارفرما تھی چنانچہ ''جنگ'' کراچی کا فوٹوگرافر ادھر ادھر تصویریں بناتا رہا اور حسن مناسب گروپ بنانے کے لئے لوگوں کو بار بار صوفوں پر اٹھاتا بٹھاتا رہا۔

ہوٹل سے چلتے وقت سی این این پر روسی بغاوت کی Live فلم رپورٹ دکھائی جا رہی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بورس یلسن کا سیاسی قد ان تین دنوں میں کئی گنا بڑھ گیا ہے اور اس کی ماسکو میں موجودگی ایک ایسا عنصر ہے جس کی وجہ سے بالآخر یہ بغاوت ناکام ہو جائے گی ہم نے اس موضوع پر چینیوں کی رائے معلوم کرنے کی جلیبی نما بہت سی کوششیں کیں مگر پتہ نہیں کیوں ایسے موقعوں پر ان کی انگریزی اور اردو دونوں کمزور ہو جاتی تھیں۔

منیر نیازی نے بتایا کہ وہ ڈاکٹر کی ہدایت کے تحت کچھ ماکولات اور کچھ مشروبات سے پرہیز کر رہے ہیں اور آج کل وہ صرف کوکنگ آئل میں پکا ہوا بغیر نمک کا کھانا کھاتے ہیں چنانچہ ان کا بیشتر وقت کھانے کے بجائے اس سے متعلق ممنوعات کی چھان بین میں صرف ہوا ان کی سیٹ ہمارے وفد کے قائد اجمل خٹک کے ساتھ تھی چنانچہ خٹک صاحب کو کم و بیش وہی رول ادا کرنا پڑا جو پرانے وقتوں میں شاہی محلات کے Food Tasters ادا کرتے تھے یعنی ہر چیز بادشاہ سے پہلے کھا کر دیکھتے تھے کہ کہیں اس میں زہر وغیرہ تو نہیں' یہ مشغلہ ان دونوں پٹھانوں کو کچھ ایسا بھایا کہ آگے چل کر اجمل خٹک منیر کے کہنے سے پہلے ہی فریضہ ادا کرنے لگے پھر یوں ہوا کہ منیر نیازی نے اپنی ''پرہیزیں'' ختم کر دیں مگر خٹک صاحب آخر تک اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

اپنے کمرے میں داخل ہوا تو چند لمحوں بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی گھڑی دیکھی رات کے بارہ بج رہے تھے فون اٹھایا' ایک بڑی خوشنما سی آواز آئی۔

''امجد اسلام امجد صاحب بول رہے ہیں۔''

میں نے عرض کیا۔جی ہاں۔

''آپ اپنے کمرے میں پہنچ گئے ہیں۔''

میں نے کہا' ظاہر ہے کہ اگر آپ نے میرے کمرے میں فون کیا ہے اور میں جواب دے رہا ہوں تو کمرے میں پہنچ ہی گیا ہوں گا۔

بولی' معافی چاہتی ہوں' ٹیلی فون پر آپ کی آواز ٹی وی کی نسبت خاصی مختلف ہے۔

شاید ایسا ہی ہو' آپ کون بول رہی ہیں؟

معلوم ہوا کہ موصوفہ شام کی ڈیوٹی والے آپریٹر کی کچھ لگتی ہیں اور ان سے کمرے کا نمبر لے کر مجھے فون کر رہی ہیں کیونکہ بقول ان کے ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں' میں نے کہا آپ دونوں کی محبت کا...... آگے سے ایک لمبی سی سسکی نما ہائے اور پھر شرمیلی سی ہنسی سنائی دی۔ میں نے وضاحت کی کہ آپ دونوں کی ''مجھ'' سے اس محبت کا بہت بہت شکریہ' اب بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔

میں نے کہا' صبح سات بجے ہمیں ایئر پورٹ پہنچنا ہے اور اس وقت رات کے بارہ بج رہے ہیں سو اس سفر میں تو یہ ملاقات ممکن نہیں' انشاء اللہ آئندہ آیا تو کوشش کروں گا۔

بولی'' اگر میں آپ کو خط لکھوں تو کیا آپ جواب دیں گے۔''

میں نے بحث سے بچنے کے لئے کہا ضرور۔اب اجازت دیجئے۔

ایک شکووں سے لبریز آواز آئی۔'' آپ نے میرا نام بھی نہیں پوچھا۔''

''سوری! اب بتا دیجئے۔''

کہنے لگی' آپ کسی کو بتائیں گے تو نہیں۔

کچھ نیند کا غلبہ تھا اور کچھ صبح جلدی اٹھنے کا خیال' میں نے کچھ چڑ کر کہا' پلیز آپ میرا وقت ضائع نہ کیجئے' خدا حافظ' دوسری طرف سے ایک تیز چیخ نما آواز سنائی دی۔

''پلیز فون بند نہ کیجئے گا۔۔۔۔ میں آپ کی بڑی زبردست فین ہوں' بے شمار نظمیں یاد ہیں مجھے آپ کی شاعری تو آپ اتنی

رومینٹک کرتے ہیں لیکن گفتگو بڑی روکھی ہے آپ کی۔ایسا کیوں کرتے ہیں آپ ادیب لوگ! میں نے ایک بار پروین شاکر کو بھی فون کیا تھا' اس نے کوئی لفٹ ہی نہیں دی میں نے کہا دیکھو بی بی ضروری نہیں کہ جب آپ کے پاس فالتو وقت ہو تو دوسرا بھی فارغ بیٹھا ہوا خواب دیکھے نا۔۔۔۔۔

میری بات سنے بغیر کاٹ کر بولی''اصل میں آپ لوگ مغرور ہو جاتے ہیں۔

ہر وقت لوگ آپ کے آگے پیچھے پھرتے ہیں نا اس لئے آپ کو ان کی قدر نہیں ہوتی۔کیا ہو جائے گا اگر آپ دس منٹ مجھ سے بات کر لیں گے۔میں نے زچ ہو کر کہا بابا اگلی بار جب کراچی آیا تو وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے آدھا گھنٹہ باتیں کروں گا اس وقت معاف کر دو نیند سے میرا برا حال ہو رہا ہے۔

کہنے لگی۔''وعدہ!''

میں نے کہا۔''پکا''

بولی۔''آپ نے میرا فون نمبر تو لیا ہی نہیں۔''

ایک بج کر دس منٹ پر بالآخر میں نے فون رکھا تو نیند اڑ چکی تھی اور اس کی جگہ ایک ایسی تھکن نے لے لی تھی جو اعصاب کو شل کر کے رکھ دیتی ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ مداحین اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں کہ وہ آپ سے غیر مشروط محبت کرتے ہیں' آپ کے لئے سوچتے ہیں' اپنا بہت سا وقت آپ کی تخلیقات کو پڑھنے اور دیکھنے میں گزارتے ہیں اور آپ کے پل پل کی خبر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ بات بھی اپنی جگہ پر حقیقت ہے کہ محبتوں کا یہ سارا وزن جب کسی ایک ممدوح پر پڑتا ہے تو اس کے اثبات کے لئے یہ چوبیس گھنٹے کا دن اور یہ گنتی کے ماہ و سال بہت کم ہو جاتے ہیں۔ٹی ایس ایلیٹ نے کسی نظم میں کہا تھا۔

Prepare the face to meet the faces that you meet.

سو کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ چہرہ سجاتے سجاتے آدمی کا خود اپنی مسکراہٹ سے اعتبار اٹھنے لگتا ہے۔

22 اگست کی صبح کا آغاز ہوٹل کی Wake up کال سے ہوا' سامان پہلے سے بندھا رکھا تھا اس لئے آدھے گھنٹے میں غسل خانے کے تمام متعلقہ کاموں سے فارغ ہو کر ناشتے کے لئے پہنچ گیا ایک میز پر علی احمد بروہی اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری مصروف گفتگو تھے۔بروہی صاحب ماشاءاللہ ستر سال کی عمر میں بھی بہت عمدہ صحت کے مالک ہیں البتہ ان کے کندھوں اور گردن کے درمیان ایک خفیف سا رعشہ آ گیا ہے جس کی وجہ سے اکثر اوقات یوں لگتا ہے جیسے وہ آپ کی بات کے جواب میں''ہاں'' کہہ رہے ہوں' اس دن

ان کے دانتوں میں سخت تکلیف تھی جس کے واضح اثرات ان کے چہرے پر بھی نظر آ رہے تھے' سو یہ ایک بہت عجیب اور دلچسپ منظر تھا فرمان صاحب اپنے مخصوص لیکچرانہ انہماک کے ساتھ کچھ بول رہے تھے اور بروہی صاحب منہ بھینچے ہوئے کچھ اس طرح گردن ہلا رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں۔

''تم سے تو نمٹ لوں گا بچو!''

اتنے میں اجمل خٹک' نواز طائر اور عزیز بگتی لفٹ سے نکلتے دکھائی دیئے خٹک صاحب کا قد ایسا ہے کہ وہ بات نہ بھی کریں تب بھی ''چھائے'' ہوئے سے لگتے ہیں سو جب وہ اپنے مخصوص قبائلی خلوص کے ساتھ مجھ سے گلے ملے تو میرا سر ان کے کندھے سے بھی نیچے تھا میں انہیں ایک شاعر اور ادیب کے حوالے سے تو جانتا تھا لیکن گزشتہ شام سے پہلے کبھی بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی تھی بھٹو صاحب کے زمانے سے لے کر گزشتہ برس تک تقریباً سولہ سال وہ جلاوطن رہے کم و بیش اتنا ہی عرصہ جیل کاٹی گویا اپنی 66 برس کی عمر کا تقریباً آدھا حصہ انہوں نے براہ راست اپنے سیاسی نظریات کی نذر کر دیا اب یہ بات ایسی ہے کہ اگر آپ ان کی فکر سے سراسر اختلاف رکھتے ہوں تب بھی غالب کے الفاظ میں ان کے اس عمل کی داد کچھ اس طرح ملنی چاہیے۔

وفاداری' بشرط استواری' اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

بعد میں مختلف موقعوں پر ان سے جو باتیں ہوئیں انہیں سن کر اندازہ ہوا کہ ہمارے ذرائع ابلاغ نے ان کی جو تصویر بنا رکھی ہے حقیقت اگر اس سے بالکل نہیں تو بہت حد تک مختلف ضرور ہے۔

عزیز بگتی' بلوچستان یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں امریکہ سے خاصی بھاری بھرکم ڈگریاں لے رکھی ہیں مگر حرام ہے جو ان کی کسی حرکت سے اس کا اظہار ہوتا ہو ورنہ ہمارے یہاں تو ایسا ہے کہ اکثر احباب دیار فرنگ میں چار لفظ پڑھ لیں تو ساری عمر ان کی جگالی کرتے اور جگہ جگہ تھوکتے نہیں تھکتے۔ بگتی ہمارے اس وفد کے سیکرٹری بھی تھے لیکن عمر میں سب سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور کچھ اپنی پر خلوص اور محبت بھری طبیعت کے باعث ان کا رویہ بالکل ان پہاڑی لوگوں جیسا تھا جو کوہ پیما پارٹیوں کے ساتھ سامان اٹھا کر چلتے ہیں چنانچہ ابتدا میں منیر نیازی کا رویہ ان کے ساتھ وہی تھا جو فاتح ماؤنٹ ایورسٹ ایڈمنڈ ہلاری کا شرپے تن سنگھ تھا کہ استاد مرحوم اپنے نام کے ساتھ ازراہ انکسار ''ننگ اسلاف'' لکھا کرتے تھے ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی ان کے نام کے ساتھ یہی لکھنے لگے۔

سو عزیز بگتی کے خلوص اور سعادت مندی کی زیادتی نے شروع شروع میں انہیں بہت پریشان رکھا لیکن آہستہ آہستہ وہ ''سمجھدار'' ہوتے چلے گئے اور خلاق اور بیگار کے درمیان ایک واضح لائن کھینچنے میں کامیاب ہو گئے اس اجمال کی تفصیل آپ کو بین السطور میں ملتی رہے گی۔

نواز طائر پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی کے ڈائریکٹر گورے چٹے' گول مٹول' ہمہ وقت متبسم اور کسی بھی موضوع پر بحث کے کسی بھی حصے میں کسی بھی ساختگی ہے جو صرف پر خلوص لوگوں میں ہوا کرتی ہے' سرسری نگاہ سے دیکھنے پر بعض اوقات یہ سادگی' سادہ لوحی اور اس سے بھی آگے کی چیز نظر آتی ہے لیکن نواز طائر اس گمان کو زیادہ دیر قائم نہیں رہنے دیتے اور چلتے چلتے ایسی عالمانہ بات کر جاتے ہیں کہ سارے تخمینے الٹ پلٹ ہو جاتے ہیں' ابھی ہم لوگ معانقوں اور مصافحوں کے عمل میں مبتلا تھے کہ منیر نیازی اور حسن رضوی علیحدہ علیحدہ لفظوں سے ایک ساتھ نکلتے ہوئے نظر آئے سو ایک بار پھر ''جپھیاں'' دوہرائی گئیں کاؤنٹر کے قریب کچھ نوجوان کھڑے مسلسل ہماری طرف دیکھے جا رہے تھے منیر کے آنے پر وہ آگے بڑھے منیر نیازی نے بتایا کہ یہ نوجوان ڈیرہ غازی خاں سے تعلق رکھتے ہیں ادب اور ادیب دوست ہیں اور آفتاب احمد شاہ کی منعقد کردہ کسی تقریب میں دو سال پہلے ان سے مل چکے ہیں۔

حسن نے میرے کان میں کہا' یار یہ منیر نیازی کو کیا ہو گیا ہے انہیں تو دس منٹ پہلے ملا ہوا پورے کا پورا بندہ یاد نہیں رہتا مگر یہاں دو سال پرانے نام' مقام اور کوائف سب از بر ہیں۔

میں نے کہا۔ ''منیر نیازی کا حافظہ بہت اچھا ہے' وہ صرف ان چیزوں کو بھولتے ہیں جنہیں وہ خود یاد نہیں رکھنا چاہتے۔''

نوجوانوں کا لیڈر ایک خوش طبع اور بے باک سا لڑکا تھا حسن کے استفسار پر اس نے بڑی بے تکلفی سے اسے آنکھ مارتے ہوئے کہا جا تو میں بھی ادھر ہی کو رہا ہوں مگر میری منزل ذرا مختلف ہے۔

اس کے لہجے اور چشم زنی سے بات تو سمجھ میں آ گئی تھی مگر میں نے بھولا بن کر پوچھا۔

کہاں۔۔۔؟

بولا۔ بنکاک

میں نے اسی سرسری انداز میں کہا۔ کسی کام سے یا تفریحاً

اس پر اس نے مجھے بہت شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کو نہیں پتہ لوگ بنکاک میں کیوں جاتے ہیں؟

اس کے اس انداز پر مجھے بیس برس پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا' راولپنڈی کی مال پر اتوار کو چھٹی کے روز پرانی کتابوں والے اپنے

عارضی سٹال لگایا کرتے تھے جہاں سے ان دنوں آٹھ آنے فی ڈالر کے حساب سے بہت اچھی اچھی کتابیں مل جاتی تھیں اردو کے مشہور مزاح نگار اور میرے محترم بزرگ دوست شفیق الرحمان ان کے مستقل گاہک تھے میں ان کے ساتھ میں اور عطاء الحق قاسمی بھی کتابیں دیکھ رہے تھے اچانک عطا نے مجھے کہنی مارتے ہوئے ایک کتاب کی طرف اشارہ کیا جو اس زمانے میں راتوں کی نیند حرام کر دینے والا شاہکار سمجھی جاتی تھی میں نے شفیق صاحب کی طرف دیکھا مگر وہ چند قدم آگے کسی اور کتاب کا پوسٹ مارٹم کر رہے تھے عطا نے جلدی سے کتاب اٹھاتے ہوئے دکاندار سے کہا۔

کتنے پیسے؟

اس نے حساب کے ساتھ بننے والی قیمت سے چھ گنا زیادہ پیسے بتائے۔

عطا نے کہا۔۔۔۔یہ کیوں مہنگی ہے بھئی!

اس پر اس نے بالکل اس ''بنکاک'' والے نوجوان کی طرح دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ آپ کو نہیں پتہ!

کراچی ائیر پورٹ پر بھی لاہور کی طرح ہمارے لئے وی آئی پی لاؤنج کا انتظام تھا' داخلی دروازے پر غلام ربانی آگرو استقبال کے لئے بازو کشادہ کھڑے تھے' ادگرد آتے جاتے V.I.Ps کی نظروں میں ہمیں دیکھ کر کچھ اس طرح کے تاثرات ابھرتے تھے جیسے کہہ رہے ہوں کہ انہیں یہاں کس نے گھسنے دیا ہے' پھر کچھ لوگوں کو پہچان کر ایک آشنائی کی چمک سی آنکھوں میں آتی مسکراہٹوں اور مزاج شریف وغیرہ کا تبادلہ ہوتا اور وہ لوگ دوبارہ اپنی کلاس میں واپس چلے جاتے' میں سوچنے لگا کہ اگر یہ سرکاری وفد نہ ہوتا اور اکادمی ادبیات پاکستان نے خاص طور پر ہمارے لئے یہ ''تخصیص'' حاصل نہ کی ہوتی تو ہم ان ''صاحب'' لوگوں کے برابر بیٹھنے کے قابل بھی نہیں تھے جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت کی Aparthied پالیسی کی مذمت کرتے ہماری زبانیں نہیں تھکتیں لیکن خود اپنے معاشرے میں اور اسلام جیسے مذہب انسانیت و مساوات کے نام لیوا ہوتے ہوئے ہم نے جو دیواریں بنا رکھی ہیں انہیں گرانے کے لئے ہم نے کیا کیا؟ جس معاشرے میں آدمی کے ''اہم'' ہونے کے لئے ''محترم'' ہونا ضروری نہ ہو۔ جہاں ذہنوں کو روشنی دینے والے کا عمل دولت اور اقتدار کے مقابلے میں کوئی وقعت نہ رکھتا ہو اور جہاں بڑا آدمی صرف وہ ہو جو آپ کو زیادہ نقصان پہنچا سکنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ وہاں ''شرف انسانیت'' کہاں سے آئے گا اور جہاں ''انسان'' کی عزت نہیں ہوگی اور وہاں کوئی قدر کس بنیاد پر زندہ رہے گی۔

اس دوران میں اکادمی کے عملے کے ارکان بار بار ہمارے پاسپورٹ لاتے اور لے جاتے رہے ہر بار پتہ چلتا کہ ضابطے کی کوئی

کارروائی رہ گئی ہے لیکن اتنا ہوا کہ ان کی وجہ سے بہت سارے مراحل آسان ہو گئے۔ میں نے ابھی اخبار کا واحد قابل مطالعہ یعنی کھیل کی خبروں والا صفحہ کھولا ہی تھا کہ دلاور عباس آتا دکھائی دیا' دلاور میرا کالج کے دنوں کا دوست ہے اور اٹک آئل کمپنی کی افسری کے مدارج طے کرتا ہوا آج کل فیلکن سیمنٹ کا ایگزیکٹو ہیڈ ہے اور ہماری پارٹی کا واحد کنوارہ ہے' اس کا شیوہ بڑھا ہوا اور آنکھوں میں نینداور تھکن کا غبار بھرا ہوا تھا یہ عطا تھی اس شاندار دنیاوی ترقی کی جو اس نے اتنے کم عرصے میں حاصل کی ہے حسب معمول بہت زور سے جپھی ڈال کر ملا جو ہم لاہوریوں کا طریقہ ہے اور جس کی وجہ سے یورپ وغیرہ میں گورے مرد ہم لوگوں کو مشکوک اور گوریاں شکایتی نظروں سے دیکھا کرتی ہیں' جلدی جلدی سلام دعا' گلے شکوے' احباب کی نقل و حرکت' اپنے اپنے پروگرام اور آئندہ ملاقات کے امکانات پر گفتگو کی گئی کیونکہ ہماری فلائٹ کا اعلان ہو گیا تھا اور ایک بار پھر جپھی ڈالی گئی' اب کے ملکی خواتین اور ہمارے پٹھان ہم سفروں نے بھی یہ عمل غور سے دیکھا۔

رن وے پر ایک پرانا بلکہ پھٹا پران بوئنگ جہاز ہمارا منتظر تھا ہماری سیٹیں سب سے اگلے حصے میں تھیں جسے اگر وہ فرسٹ کلاس کہنے پر مصر ہوتے تو ہم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے' میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اچھی خاصی چھ گھنٹے کی انٹرنیشنل فلائٹ ہے' چین ہمارا سب سے قابل اعتماد ہمسایہ ملک ہے اور ہمیں اور جگہوں کے علاوہ ہمالیہ کے اوپر سے بھی پرواز کر کے جانا ہے تو پھر یہ از کار رفتہ جہاز اس روٹ پر کیوں چلایا جا رہا ہے' مجھے یقین ہے کہ اگر یہ جہاز کوئی سرکاری افسر ہوتا تو اس وقت ایل پی آر پر ہوتا۔

جہاز کے اسٹیورڈ اسرار احمد نے اپنی تواضع اور توجہ سے ہمارا دھیان بٹانے کی بہت کوشش کی اور کچھ نیم سرکاری سے اعداد و شمار کے ذریعے متعلقہ جہاز کی وکالت بھی کی مگر وہ فارسی میں کہتے ہیں تا کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ تو ہم اپنی آنکھوں کا کیا کرتے! معلوم ہوا کہ جو فلائٹ اسلام آباد سے ٹوکیو جاتے ہوئے چین رکتی ہے اس پر جمبو جیٹ چلایا جاتا ہے یہ بھی پتہ چلا کہ دنیا کے بہت سے ہوائی اڈوں پر جن میں ٹوکیو بھی شامل ہے بوئنگ جہاز کا داخلہ ممنوع ہے کیونکہ یہ شور بہت مچاتا ہے اور نازک ماج شاہاں تاب سخن ندارد۔

چند برس قبل یار عزیز اسلم کمال چین سے لوٹا (جہاں غالباً اس کی تصویروں کی کوئی نمائش تھی) تو اس نے راکاپوشی کی چوٹی کے حسن کی کچھ ایسی تصویر کشی کی تھی کہ دل میں اسے دیکھنے کا ایک شوق سا پیدا ہو گیا تھا تھوڑی دیر بعد جہاز کے کپتان نے بتایا کہ اب ہم اس علاقے سے گزرنے والے ہیں لیکن دھند اور بادلوں کی وجہ سے ہم حسن فطرت کے اس شاہکار کو شاید واضح طور پر نہ دیکھ پائیں ویسے کے۔ٹو سے ہمارا فاصلہ چالیس کلومیٹر رہے گا' میں نے منیر نیازی سے کہا ''آپ کہا کرتے ہیں کہ اچھے منظر خراب آنکھوں سے اپنے آپ کو چھپا لیا کرتے ہیں تو لکھنے والوں سے اچھی آنکھیں ان منظروں کو کہاں سے ملیں گی۔

منیر نے سامنے پڑی ہوئی کھانے کی ٹرے کو بیزاری سے ایک طرف کرتے ہوئے کہا "یہ منظر ہم سے نہیں اس کم بخت جہاز سے اپنے آپ کو چھپا رہے ہیں اب دیکھو میں نے Low Salt کھانا مانگا ہے اور یہ میری بات نہیں سن رہے۔

چین اور پاکستان کے وقت میں چار گھنٹے کا فرق ہے سو جب ہم دوپہر کا کھانا کھا کر بیجنگ کے ہوائی اڈے پر اترے تو وہاں کے رات کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا معلوم ہوا کہ چینی لوگ اپنے کھانے کے معاملے میں بے حد "مذہبی" واقع ہوئے ہیں دوپہر کا کھانا ٹھیک بارہ بجے اور رات کا چھ بجے شام' ہم سب ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے کیونکہ یہ طریقہ تو ہمارے یہاں صرف دیہاتیوں کا ہوتا ہے جنہیں ہم شہری بابو لوگ ان پڑھ اور گنوار سمجھتے ہیں۔

بروہی صاحب نے اپنی داڑھ کو دباتے ہوئے اور سر کو خوب ہلاتے ہوئے جھوم کر کہا بیوٹی فل!

ہم نے چاروں طرف دیکھا ائیر ہوسٹس سمیت جہاز میں ایک بھی سواری اس توصیف کے قابل نہیں تھی' بروہی صاحب نے غالباً ہماری پریشانی بھانپ لی۔ بولے' میں چینیوں کی خوراک کے اس ٹائم ٹیبل کی تعریف کر رہا تھا طبی نقطہ نگاہ سے انسانی صحت کے لئے کھانے کے موزوں ترین اوقات یہی ہیں۔

آگے چل کر پتہ چلا کہ "بیوٹی فل" ایک طرح سے بروہی صاحب کا تکیہ کلام ہے وہ کسی بھی بات' شخص' واقعے' ٹی وی پروگرام' تصویر' اخباری خبر یا کھانے کی چیز وغیرہ پر اپنی پسندیدگی کا اظہار اسی ایک لفظ سے کرتے تھے البتہ کسی حسین خاتون کو دیکھ کر کچھ کہنے کی بجائے دوبارہ دیکھتے تھے۔

انٹرنیشنل ائیر پورٹ اور چین کے دارالخلافے کے حوالے سے دیکھا جائے تو بیجنگ کا ہوائی اڈہ بہت سادہ اور قدرے پژمردہ سا تھا' ایک عجیب طرح کی بے رونقی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی امیگریشن وغیرہ کے مراحل بہت تیزی سے نمٹ گئے ایک تو جہاز کی سواریاں کم تھیں دوسرے سامان اور بھی کم تھا سو چند منٹوں میں ہی ہم ائیر پورٹ سے باہر نکلنے کے لئے تیار تھے لیکن خلاف توقع نہ تو ہمیں کوئی لینے کے لئے اندر پہنچا تھا اور نہ بڑے بڑے شیشوں سے باہر کسی وفد کی "استقبالیہ" کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ پی آئی اے کے سٹیشن سٹاف کے ایک صاحب جو قدرے صورت آشنا تھے خود ہی چل کر ہمارے پاس آ گئے اور سامان رکھوانے میں ہماری مدد کرنے لگے' منیر نیازی نے عزیز بگتی سے کہا کہ میرے بکس کی پہچان اس کے ہینڈل سے بندھا ہوا ایک سرخ رنگ کا رومال ہے اسے ڈھونڈو اور اٹھا کر علیحدہ ٹرالی میں رکھو' بگتی بے چارا پہلے ہی اکادمی کے اس جستی بدنما ڈبے کی وجہ سے پریشان تھا جس میں مقامی تنظیموں اور میزبانوں کے لئے تحائف وغیرہ بھجوائے گئے تھے (یہ ایک ایسا عجیب وغریب اور فسادی ڈبہ نما بکس یا بکس نما ڈبہ تھا

جسے ہمارے دیہاتی بھائی بھی سفر پر ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتے کیونکہ اس کا واحد کام قریب سے گزرنے والوں کے کپڑے پھاڑنا ہوتا ہے) سو اس نے مدد طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا میں نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی کہ اکادمی کی امانت سنبھالو اس سرخ رومال کا کچھ بندوبست کرتا ہوں۔

رات کو احمد فوڈ والوں کے سربند ڈبوں کے بارے میں تقسیم کا اصولی فیصلہ تو ہو گیا تھا مگر بوجوہ اس پر عمل نہ ہو سکا چنانچہ ہمارا یہ ''کالا باغ ڈیم'' جوں کا توں موجود تھا لاعلمی اور جہالت بھی ایک نعمت ہے اس کے بارے میں سنا تو بہت تھا لیکن اس کی عملی صورت بیجنگ ائیر پورٹ پر دیکھنا نصیب ہوئی ہم نے بے دھیانی میں کھانے کے ڈبوں کے اس پیکٹ کو بکسوں کے درمیان میں رکھ دیا اور مزے سے ٹرالیاں دھکیلتے باہر نکل آئے بعد میں پتہ چلا کہ چین میں باقاعدہ اجازت اور معائنے کے بغیر ہر طرح کی خوراک کا داخلہ ممنوع ہے اور اگر وہ پیکٹ چیک ہو جاتا تو کم از کم ہماری واپسی تک اس کا بازیاب ہونا ممکن نہ تھا۔

بیرونی ہال میں بھی بہت کم لوگ تھے اور ان میں سے بھی کسی کی توجہ ہماری طرف نہیں تھی ایک دم ایک مانوس سا قہقہہ سنائی دیا اور پتہ نہیں کدھر سے ہمارا عزیز چینی دوست چانگ شی شوانگ عرف انتخاب عالم نکل آیا اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے تھانگ' جو اس پورے سفر میں ہمارا انٹر پریٹر تھا اور چھن (چن) جو چینی رائٹرز ایسوسی ایشن کے افریقہ اور ایشیا شعبے کا انچارج تھا' انتخاب عالم نے ہنسنے اور گلے ملنے کے دوران بتایا کہ چین میں کسی کو ائیر پورٹ کے اندر مہمانوں کا استقبال کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے وہ ہر اس تکلیف کے لئے معذرت خواہ ہے جو ہمیں اس سلسلے میں ہوئی ہوگی۔

معلوم ہوا کہ ہمارے اصل میزبان چھن ہیں' تھانگ بیجنگ یونیورسٹی شعبہ اردو میں پروفیسر ہیں اور ان کی خدمات رائٹرز ایسوسی ایشن نے ہمارے دورے کے لئے مستعار لی ہیں اسی طرح انتخاب عالم ''چین باتصویر'' اردو کے ایڈیٹر ہیں اور یہاں محض اپنے پاکستانی دوستوں کے استقبال کے لئے ذاتی سطح پر آئے ہیں باہر ایک ائیر کنڈیشنڈ کوسٹر اور ایک وین ہماری منتظر تھی وین میں سامان رکھوایا گیا اور ہم سب لوگ کوسٹر میں بیٹھے جس میں یقیناً ہمارے سامان کے لئے بھی گنجائش تھی' چینیوں کی مہمان نوازی اور سلیقہ مندی کا یہ پہلا مظاہرہ تھا جس کا ایکشن ری پلے ہم نے آئندہ دنوں میں بار بار دیکھا۔

انتخاب عالم نے بتایا کہ اس کی بیوی بہت سخت بیمار ہے اور کئی دن سے ہسپتال میں ہے لیکن ہمارے استقبال کے لئے آنا بھی ضرور تھا سو وہ آ تو گیا ہے لیکن جلدی اجازت لے گا کیونکہ اسے ہسپتال واپس پہنچنا ہے۔ انتخاب عالم گزشتہ عشرے کے ابتدائی سالوں میں دو برس تک اپنی بیوی سمیت پاکستان میں رہ چکا ہے جہاں اس نے انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد سے اردو سیکھی اور

اب ایسی روانی اور گرامر کے قوانین کی پابندی کے ساتھ بولتا ہے کہ کبھی کبھی اس پر انتظار حسین کا گمان گزرنے لگتا ہے' اس نے کوسٹر میں بیٹھتے ہی اپنی ایک غزل کا مطلع سنایا

بشر بس غم اٹھانے کے لئے دنیا میں آتا ہے
دم آمد وہ روتا ہے دم آخر رلاتا ہے

اس پر اجمل خٹک اور فرمان شیخ نے کچھ اس طرح واہ واہ دی کہ مشاعرے کا سا سماں پیدا ہو گیا بروہی صاحب نے دانت پر ہاتھ رکھے اور جھوم کر بولے۔

"بیوٹی فل"

کوسٹر ایک دورویہ درختوں والی طویل سڑک سے گزرتا ہی چلا جا رہا تھا سب لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے تھانگ بھی گفتگو میں برابر کا حصہ لے رہا تھا مگر چھن سب سے پچھلی سیٹ پر آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا تھا اتنے میں ایک بہت دلچسپ مکالمہ سنائی دیا حسن رضوی انتخاب سے کہہ رہا تھا۔

"سنا ہے یار چین میں' تربوز بہت ہوتے ہیں۔"

"آپ نے صحیح سنا ہے۔"

"اس کے علاوہ یہاں کی چیز زیادہ ہوتی ہے۔"

"آبادی۔۔۔۔انتخاب نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔"

بروہی صاحب اپنی سیٹ سے تقریباً اچھل کر بولے۔

"بیوٹی فل"

چھن نے جو ہم سب کو زور زور سے ہنستے دیکھا تو ایک دم سے آنکھیں کھول دیں تھانگ سے غالباً ہمارے ہنسنے کا سبب پوچھا اور پھر اس سے چینی میں کچھ کہا۔

تھانگ نے کہا۔

"یہ کہتے ہیں کہ میری طبیعت دو تین دن سے بہت خراب ہے اس وقت بھی تیز بخار ہے اس لئے میں خاموش بیٹھا ہوں کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیجئے کہ میرا تعلق خفیہ پولیس سے ہے۔"

بروہی صاحب نے جو چھن کے قریب بیٹھے تھے اس سے پر جوش مصافحہ کیا اور بولے۔

''بیوٹی فل''

چھن کو یوں تو انگریزی بھی نہیں آتی تھی مگر یہ تعریف ایسی تھی کہ ایک دم سے اس کے بخار سے سرخ رخسار مزید سرخ ہو گئے۔

تھانگ نے کہا۔

''یہ کہتے ہیں آپ لوگوں کے لئے مکمل پروگرام تیار کیا جا چکا ہے۔ ہوٹل پہنچتے ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔''

تھانگ کی اردو بھی بے حد کتابی الفاظ کی نشست و برخواست پر وہ اتنی توجہ دیتا تھا کہ اچھا بھلا جملہ میر امن کی باغ و بہار کا خوشہ چین معلوم ہونے لگتا تھا۔

کوسٹر اب غالباً بیجنگ کے ڈاؤن ٹاؤن سے گزر رہا تھا کیونکہ یہاں کی عمارتیں نسبتاً کم بلند اور قدرے پرانی تھیں جبکہ فاصلے پر امریکن طرز کی High Ruise عمارتوں کا ایک طویل سلسلہ دکھائی دے رہا تھا یا اور بات ہے کہ بلند ترین عمارات بھی زیادہ سے زیادہ چالیس پچاس منزلہ تھی یوسف عزیز کی کار ہمارے آگے آگے جا رہی تھی۔ لیجئے میں یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ ائیر پورٹ پر پاکستانی سفارت خانے کی طرف سے ہمارا دوست اور مزاح گو شاعر یوسف عزیز جو کہ وہاں کلچرل اتاشی ہے اپنے اسسٹنٹ مشتاق کے ساتھ پہنچا ہوا تھا اور بقول اس کے اکادمی یا وزارت تعلیمات کی طرف سے اسے ہمارے وفد کی آمد کی کوئی باقاعدہ اطلاع نہیں ملی تھی اور اس کا یہاں آنا چینی رائٹرز ایسوسی ایشن سے مسلسل رابطے کا باعث تھا۔ یوسف کے چھریرے بدن اور دبیز مسکراہٹ پر ماہ و سال کا کوئی واضح اثر نہیں پڑا البتہ کچھ مدت سے اس نے بالوں کو ایک عجیب و غریب سرخی مائل سے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا ہے یعنی پہلی نظر میں یہ رنگ عجیب نظر آتا ہے اور اس کے بعد غریب۔

یوسف عزیز کی موٹر ایک خاصے بڑے اور بارعب سے ہوٹل میں داخل ہوئی جس کی پیشانی پر کیپیٹل ہوٹل کے الفاظ بزبان انگریزی چمک رہے تھے جس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ اتنے مہنگے ہوٹل میں صرف غیر ملکی ہی ٹھہر سکتے ہیں ہوٹل اندر سے اور بھی خوبصورت تھا اور صفائی ستھرائی میں کسی طرح بھی یورپ کے اعلیٰ ہوٹلوں سے کم نہیں تھا۔ ریسپشن کاؤنٹر کے سامنے ایک خاصے بڑے لاؤنج میں بیٹھنے کے لئے بہت سی سیٹیں تھیں چند منٹ میں کاغذی کارروائی مکمل ہوئی اور ہمیں ہمارے کمروں کی چابیاں دے کر کہا گیا کہ آپ چلیئے آپ کا سامان پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ میرے کمرے کا نمبر 914 تھا۔

نویں منزل پر جانے کے لئے لفٹ میں سوار ہوئے تو لفٹ کے قالین پر Thursday بڑے جلی حروف میں لکھا بلکہ بنا ہوا تھا

پتہ نہیں کیوں مجھے یہ اچھا نہیں لگا وقت کے بارے میں میرا ہمیشہ سے کچھ ایسا تصور رہا ہے کہ یہ ایک قابل احترام چیز ہے اسے پاؤں میں روندنے کے بجائے بہتر سے بہتر طریقے سے استعمال کرنا چاہیے۔ ہوٹل کا کمرہ بہت خوبصورت' کھلا کھلا اور آرام دہ تھا اور اس کا باتھ روم بھی ایک معقول کمرے جتنا تھا باتھ روم کے سامان میں دو چیزیں بہت توجہ طلب تھیں دو کنگھیاں اور دو نئے ٹوتھ برش بمعہ ٹوتھ پیسٹ' میں نے بڑے سے آئینے میں اپنے تقریباً فارغ البال سر کو دیکھا اور سوچا کہ اس وقت عطا میرے ساتھ ہوتا تو یقیناً ان کنگھیوں کے حوالے سے مجھے اس کے کچھ جملے سہنے پڑتے ٹوتھ برش اور ان کے ساتھ ننھی منی پیسٹ کی ٹیوبیں اس بات کی علامت تھیں کہ چینی لوگ جسمانی صحت کا کس قدر خیال رکھتے ہیں اس کے بعد ہم جہاں جہاں بھی گئے یہ دو چیزیں ہر ہوٹل میں موجود پائیں۔ تھوڑی دیر بعد سامان آیا تو احمد فوڈ کے ڈبے بھی ساتھ تھے میں نے حسن کے کمرے میں فون کیا اور کہا کہ فوراً آؤ اور ان ڈبوں کی بندر بانٹ کرو۔

چھن نے تھانگ کے ذریعے بتایا کہ ہم لوگ یہاں کے مروجہ ڈنر ٹائم سے خاصے لیٹ ہو چکے ہیں اس لئے پندرہ منٹ کے اندر اندر ہم سب کو لاؤنج میں جمع ہو جانا چاہیے سب لوگ مقررہ وقت پر پہنچ گئے مگر منیر نیازی کا کچھ پتہ نہ تھا۔ میزبان بار بار کبھی لفٹ کی اور کبھی ہماری طرف دیکھ رہے تھے میں نے تھانگ سے کان میں آہستہ سے کہا کہ آپ ان کے کمرے میں فون پر بات کریں وہ شاعر ہی نہیں شاعر مزاج بھی ہیں ممکن ہے سو گئے ہوں' تھانگ فون کر کے سیدھا میری طرف آیا تو بڑے مریدانہ انداز میں بولا:

''آپ کا خیال بالکل صحیح تھا وہ آرام کے لئے لیٹ چکے تھے' کہہ رہے تھے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔''

ایک بڑی سی گول میز کے گرد دس کرسیاں لگی تھیں انتخاب عالم پہلے ہی رخصت لے چکا تھا یوسف عزیز اور مشتاق بھی کچھ دیر بعد آنے کا وعدہ کر کے جا چکے تھے' ڈائنگ ہال میں صرف ہم لوگ ہی تھے اس لئے سارے کا سارا سٹاف' جو چھ لڑکیوں اور چار لڑکوں پر مشتمل تھا' ہماری طرف متوجہ ہو گیا میز کے بیچوں بیچ ایک گول ٹرے میں چھ سات پلیٹیں پڑی تھیں جن میں رکھی ہوئی چیزیں لمبے وقفے کے بعد ملنے والے لوگوں جیسی تھیں کہ جن کے چہرے آشنا لگتے ہیں مگر نام یاد نہیں آتے۔ معلوم ہوا کہ یہ کھانے کا ابتدائیہ ہیں جنہیں مغربی ممالک میں Starters اور Epitizers کہا جاتا ہے۔ منیر نیازی نے ایک پر شوق نگاہ سے سب چیزوں کو دیکھا اور پھر بروہی صاحب سے کہا۔

''ان کو بتایئے کہ میں Low Salt کھاتا ہوں ڈاکٹر نے مجھے خاص طور پر اس کی تاکید کی ہے۔''

بروہی صاحب نے کہا' آپ فکر نہ کیجئے میں ہر چیز چکھ کر آپ کو ''نمک'' کے بارے میں رپورٹ دیتا جاؤں گا۔

نواز طائر نے اپنی چھوٹی سی توند پر ہاتھ پھیرا اور پھر جملہ ماکولات کو ایک ''کاک ٹیل'' سی بنانا شروع کی اور ہر چیز کو دیکھنے کے

بعد ریمارک دیئے وہ کچھ اس طرح کے تھے۔

''یہ تو بہت اچھا ہے۔''

''بھئی یہ تو بڑا مزیدار ہے۔''

''اچھا ہے۔''

''لطف آ گیا۔''

''یہ تو بہت اچھی چیز ہے۔''

''نہایت عمدہ ہے۔''

منیر نیازی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر طائر صاحب کی ہر ممدوحہ ڈش کا تنقیدی جائزہ لینا شروع کر دیا ان کے اس عمل سے باقی سب لوگ رک گئے کیونکہ میز کا درمیانی حصہ گھومنے والا تھا اور باری باری سب کے سامنے ہر چیز آ رہی تھی منیر نے ایک پلیٹ میں رکھی ہوئی تیلیوں جیسی کسی چیز پر ہاتھ ڈالا اور نواز طائر سے پوچھا۔

کیا یہ Low Salt ہے؟

طائر صاحب نے چمچ سے اس چیز کو بھی اپنی ''معجون مرکب'' میں شامل کیا اور بڑی تابعداری سے کہا۔

چکھ کر بتاتا ہوں۔''

کچھ بھوک نہ ہونے اور کچھ ذائقے کے فرق کی وجہ سے میں اپنی پلیٹ میں دو تین ڈھائی انچ کے بھٹے چھلیاں رکھ کر بیٹھا تھا جن کو مسلم ابالا گیا تھا اور پھر غالباً سرکے میں تر کر کے فریزر میں رکھ دیا گیا تھا' اور سوچ رہا تھا کہ اگر ابتداء یہ ہے تو انتہا کیا ہو گی' تھانگ نے بڑے مست بھرے لہجے میں مذکورہ ڈش کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ ہماری بڑی خاص ڈش ہے۔

''کیا ہے۔'' میں نے یونہی پوچھ لیا۔

''مینڈک کی ٹانگیں ہیں۔'' تھانگ نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے اسے میری لاعلمی پر افسوس ہوا ہو۔

Frog Legs بروہی صاحب نے ترجمہ کیا۔ اس علاقے میں یہ بہت پسند کی جاتی ہیں دوسری جنگ میں جب میں نیوی میں تھا برما' ملایا' ہانگ کانگ' انڈونیشیا' جاپان ہر جگہ یہ برٹش افسروں کی مرغوب غذا تھی۔ طائر صاحب کا ہاتھ ان کے منہ سے چند سینٹی میٹر ادھر رک گیا کیونکہ اس انکشاف پر ہم سب کا ردعمل خاصا واضح تھا انہوں نے اجمل خٹک کی طرف دیکھا جو چھلکوں سمیت ابالے ہوئے

مٹر کھانے کی کوشش میں تھے اور پھر کچھ سوچ کر مینڈک کی ٹانگ سے عدم تشدد کا معاہدہ کر لیا۔

اب گفتگو کا رخ ان افواہوں اور اطلاعات کی طرف مڑ گیا جو وقتاً فوقتاً چینی اشیائے خورد و نوش کے بارے میں ہم تک پہنچتی رہی تھیں مثلاً یہ کہ وہاں سانپ' کچھوے ہر طرح کے سمندری جانور بلیاں' کتے اور مینڈک وغیرہ نہ صرف عام کھائے جاتے ہیں بلکہ خاص خاص مہمانوں کو زندہ بندر کا دماغ بھی پیش کیا جاتا ہے یعنی سالم بندر کو میز پر رکھ کر چونکہ اس عمل کی تفصیلات خاصی بھوک مار قسم کی ہیں اس لئے میں ان سے صرف نظر کرتا ہوں ایک انگریزی فلم غالباً Indiana Jones میں اس منظر کو باقاعدہ فلمبند کیا گیا ہے۔

تھانگ اور چھن نے باہمی مشاورت سے بتایا کہ یہ سب ''اطلاعات'' صحیح ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ یہ چیزیں ہر جگہ نہیں کھائی جاتیں مثلاً حشرات الارض سے زیادہ رغبت جنوب کے لوگوں کو ہے جبکہ کچھ اور حصوں میں بھنے ہوئے چیونٹے بہت پسند کئے جاتے ہیں لیکن وہ ذرا مہنگے ہوتے ہیں۔

اتنے میں کھانا شروع ہو گیا اور پھر آتا ہی چلا گیا تقریباً ہر تین چار منٹ کے بعد ایک نیا کورس آ جاتا لیکن حرام ہے کہ اگر ہم سے ایک بھی چیز پہچانی گئی ہو جو چینی کھانے ہم اتنے برسوں سے وطن عزیز میں کھاتے چلے آ رہے ہیں ان کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہ تھا یہاں تک کہ سوپ اور چاول بھی دکھائی نہ دیئے پوچھنے پر پتہ چلا کہ چاول یہاں سوپ سے پہلے پیش کئے جاتے ہیں اور سوپ سب سے آخر میں آتا ہے جو گویا اس بات کا اعلان ہوا ہے کہ امتحان کا وقت اب ختم سمجھیں۔

مثل تو مشہور ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس لیکن میں آج تک مقامی کھانوں سے دوستی نہیں کر پایا اور تو اور عربوں کے کھانے بھی میری سمجھ میں نہیں آئے۔ قطر (دوحہ) کی ایک ایسی ہی دعوت میں ہمیں بتایا گیا کہ وہاں زیتون کے تیل میں مختلف جانوروں اور پرندوں کی پوری پوری آنکھیں پکائی جاتی ہیں جنہیں تکوں کی طرح سالم کھایا جاتا ہے مگر بہت زیادہ قیمتی ہونے کے باعث یہ ڈش صرف وی آئی پی کی دعوتوں میں رکھی جاتی ہے۔

زندگی میں شاید پہلی اور آخری بار وی آئی پی نہ ہونے پر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔

چینی قوم کی مستعدی اور ڈسپلن کو دیکھ کر جہاں بہت خوشگوار حیرت ہوتی ہے وہاں اس بات پر صرف حیرت ہی ہوتی ہے کہ یہ لوگ کھانے میں اتنا وقت کیوں اور کیسے صرف کرتے ہیں ہر ڈش کے بعد ہم سمجھتے تھے کہ یہ یقیناً آخری ہوگی مگر ہمارا یہ اندازہ کم از کم پون گھنٹہ جا کر صحیح ثابت ہوا سمندری خوراک کی بہت سی ڈشوں کے درمیان میکڈانلڈ والوں کے Chicken Nuggets سے ملتی جلتی ایک چیز دکھائی دی میرے استفسار پر تھانگ نے بتایا کہ یہ ''جی'' ہے جسے آپ مرغی کہتے ہیں' چکھا تو ذائقہ معقول سے بھی کچھ

زیادہ ہی بہتر تھا سو آخر کار ہم بھی لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہو گئے۔

جھینگے (Prawns and Shrimps) بعض لوگ بہت رغبت سے کھاتے ہیں لیکن منیر نیازی' خالص پٹھانوں کی طرح انہیں اپنا قبالی دشمن سمجھتے ہیں اور جب تک ان کا مکمل قلع قمع نہ کر لیں کانٹا ہاتھ سے نہیں رکھتے اور اس ضمن میں وہ اس Low Salt والی پابندی کا بھی خیال نہیں کرتے جو عام حالات میں ان کے اعصاب پر سوار ہو رہتی ہے۔

ابھی لکھتے لکھتے خیال آیا ہے کہ کھانے کا کچھ ضرورت سے زیادہ ہی ذکر ہو گیا سو میں اس کو اب ختم کرتا ہوں اور تاوان کے طور پر ایک بالکل نیا کالا لطیفہ (Black Joke) پیش کرتا ہوں جو اس موضوع پر حرف آخر سے کم نہیں۔

ایک آدم خور نے کھانا کھانے کے دوران اپنے ساتھی سے کہا۔

''یار یہ جو میری ساس ہے نا' یہ مجھے بالکل پسند نہیں۔''

اس پر دوسرے آدم خور نے اس کے سامنے سے پلیٹ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ پھر تم سبزی کھالو۔''

تھیان من چوک بیجنگ شہر کا ایک طرح سے مرکز ہے کہ اس کے نواح میں جدید چین کی مشہور ترین عمارتیں واقع ہیں ان کا پارلیمنٹ ہاؤس یعنی پیپلز ہال' ماؤزے تنگ کا مقبرہ' قومی عجائب گھر' یوم آزادی اور سرکاری تقریبات کے انعقاد کے لئے مخصوص عمارتیں' ریلوے سٹیشن اور مختلف صوبوں کے ہال سب یہیں پر واقع ہیں ان میں سے تین بڑی عمارتیں یعنی عوامی ہال' ریلوے سٹیشن اور عجائب گھر چینی قوم کی تنظیم' محنت' صلاحیت اور عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ چیئرمین ماؤزے تنگ کی ہدایت پر ان عمارتوں کو ایک برس میں مکمل کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا مگر یہ ناقابل یقین کارنامہ ان لوگوں نے دس مہینے میں کر کے رکھ دیا۔

1956ء میں یہ عمارتیں تعمیر ہوئیں اور آج بھی انہیں دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔

ہمارا ہوٹل تھیان من چوک سے تقریباً آدھے میل کے فاصلے پر تھا میں نے دو برس قبل انگلستان میں ٹی وی پر براہ راست دکھائی جانے والی وہ فلم رپورٹیں دیکھی تھیں جن میں یہاں ہونے والے طلبہ کے مظاہرے دکھائے گئے تھے۔ مغربی میڈیا نے اس واقعے کو ایسی تفصیل سے دکھایا تھا کہ پہلی نظر میں ہی مجھے بہت سے مقامات مانوس دکھائی دیئے میں نے وہ جگہ بھی پہچان لی جہاں ٹینکوں کے آگے ایک تنہا لڑکا بار بار تقریباً خودکشی کے انداز میں کھڑا ہوتا تھا میں نے تھانگ سے اس واقعے کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے اس معاملے کو بہت مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیا ہے' نوجوانوں کا وہ اقدام بلاشبہ ان کی بے چینی کا غماز تھا

اور انہوں نے اپنے مطالبات تسلیم کروانے کے لئے بھرپور احتجاج بھی کیا تھا لیکن یہ کہنا کہ اس عمل میں ہزاروں نوجوان قتل یا قید کردیئے گئے سراسر غلط ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ آٹھ دس طلبہ اس عمل میں مفقود الخبر اور کوئی تیس کے قریب گرفتار ہوئے جن میں اکثر کو بعد میں رہا کر دیا گیا تھا۔ تھانگ کے خیال میں طلبہ کا یہ مظاہرہ مغربی افکار کا نتیجہ تھا جن سے چینی طلبہ اور اساتذہ امریکہ اور یورپ میں تعلیم کے دوران متاثر ہوتے ہیں وہ چینی معاشرے میں جس طرح کی شخصی آزادی اور تبدیلی کے خواہاں ہیں رائے عامہ اور حکومت اس کے حق میں نہیں تھے اس لئے یہ تحریک کم از کم وقتی طور پر دب گئی ہے۔ تھیان من چوک سے گزر کر ہمارا کوسٹراب ''شہر ممنوع'' کی طرف رواں دواں تھا جو ہمارے دورے کے پہلے دن یعنی 23 اگست کے شیڈول کی پہلی آئٹم تھی Forbidden City یا شہر ممنوع اصل میں شاہی محلات اور ان سے ملحقہ عمارات کا ایک سلسلہ ہے جو چھنگ اور منگ خاندانوں کے زمانے میں تعمیر ہوا اور جسے اب سیاحوں کے لئے کھول دیا گیا ہے تاکہ ملکی وسائل کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے والے بادشاہ مرنے کے بعد عوامی فنڈز میں اسی حوالے سے اپنے عطیات جمع کراتے رہیں۔

تھیان من چوک کی ایک عمارت پر ماؤ کی بڑی سی تصویر نظر آئی پتہ چلا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں یکم اکتوبر 1948 کو چیئرمین ماؤزے تنگ نے اعلان آزادی کیا تھا اور اب بھی قومی اہمیت کے اعلانات یہیں سے ہوتے ہیں شاہی جھروکہ نما اس عمارت کا نام چھیانگ چھنگ کنگ تھا جسے انگریزی میں Qian Qing Gong لکھتے ہیں چینی زبان کے اصل تلفظ اور ان کے لئے منتخب کردہ وہ انگریزی اصوات میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ بعض اوقات دونوں میں کوئی قدر مماثل نظر ہی نہیں آتی خود بیجنگ نے پیکنگ کی جگہ لی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ پیکنگ کا چینی تلفظ بھی ''پی چن'' یا پی چنگ'' ہے۔

شہر ممنوع کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کے مطابق یہ عمارات 1420ء۔1406ء تقریباً چھ سو برس پہلے تعمیر ہوئیں ان میں کل ملا کر نو ہزار کمرے ہیں اور ان کا کل رقبہ ساتھ لاکھ بیس ہزار مربع میٹر ہے یہ عمارت در عمارت پھیلا ہوا ایک طویل سلسلہ ہے جس میں ایک ہی طرح کا ڈیزائن بار بار دہرایا گیا ہے۔ سو ایک عمارت کو دوسری سے ممیز کرنا خاصا تحقیقی سا کام ہے۔ سیاحوں کے لئے ٹکٹ 20 یوان یعنی ڈیڑھ سو روپے اور مقامی لوگوں کے لئے آٹھ یوان ہے جو پھر بھی عام آدمی کی اوسط آمدنی کے حساب سے خاصا زیادہ ہے۔ ہر عمارت کے وسطی حصے میں بڑے بڑے ہال ہیں جو بند اور خالی پڑے ہیں البتہ ان کے باہر لکھی ہوئی انگریزی عبارتوں والی نوحوں سے ان کے بارے میں بعض بہت دلچسپ معلومات ملتی ہیں مثلاً ایک ہال ایسا ہے جس میں اس زمانے کی سول سروس میں شمولیت کے خواہشمندوں کا تحریری امتحان ہوتا تھا۔ بعد میں ان کا VIVA یعنی زبانی امتحان ایک اور کمرے میں

لیا جاتا تھا جو بادشاہ ''جن شی'' کی تا چوشی کے کمرے سے ملحق تھا اس زمانے میں سفارش اور نقل کا کیا حساب تھا اس کا پتہ باوجود کوشش کے نہ چل سکا ہر عمارت میں ان وسطی ہالوں کے علاوہ اطراف میں سٹاف کے کمرے اور درمیان میں ایک بہت کشادہ صحن بھی تھا۔ محلات کے چاروں جانب ایک سرکلر نہر تھی جس سے غالباً خندق کا کام لیا جاتا تھا' ان عمارتوں میں بالخصوص اور تمام قدیم عمارتوں میں بالعموم نیلا سرخ اور گیرو رنگ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے' سبز اور سیاہ کا نمبر ان کے بعد ہے مجموعی طور پر رنگ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ انقلاب کے بعد جس طرح دور استبداد کی نشانیوں کو مٹایا جاتا ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ''شہر ممنوع'' بھی مسمار ہو گیا ہوتا لیکن یہ چینی قوم اور اس کے رہنماؤں کی دانشمندی ہے کہ انہوں نے اپنے معاشرے سے صرف ماضی کے غلط رویوں کو ختم کیا ہے سارے ماضی سے رشتہ منقطع نہیں کیا اور یوں تاریخ کے دھارے میں انہیں اپنی بنیادیں ڈھونڈنے کا وہ مسئلہ درپیش نہیں جس سے ان کی طرح کے کئی اور معاشروں کو گزرنا پڑ رہا ہے' شہر ممنوع ماضی کی ایک ایسی یادگار ہے جس سے چینی عوام کی بہت تلخ یادیں وابستہ ہیں لیکن آج یہ شاہی محلات ایک طرح سے عوامی تفریح گاہیں بن چکے ہیں اور یوں ان کا وجود اس دکھ کا ایک کتھارسس بھی مہیا کرتا ہے جو ان کے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہے'' شہر ممنوع'' کے دوسری طرف سڑک کے پاس ایک درمیانے سے قد کی پہاڑی تھی جس کی چوٹی پر ایک بڑی سی پگوڈا نما عمارت تھی جس کے کھلے حصوں میں بہت سے لوگ گھوم پھر رہے تھے معلوم ہوا کہ یہ چن شان باغ ہے' تھا تگ نے بتایا کہ اسی باغ کے ایک درخت سے لٹک کر منگ خاندان کے آخری بادشاہ نے اس وقت خودکشی کی تھی جب وہ چاروں طرف سے باغیوں کے نرغے میں آ گیا تھا اسے کہتے ہیں تخت یا تختہ۔

اس پہاڑی یا باغ میں اوپر جانے کے لئے جو سیڑھیاں بنائی گئی تھیں وہ تعداد میں تو زیادہ تھیں ہی ان کی تعمیر بھی ایسے انداز میں کی گئی تھی جس سے سوائے خلق خدا کو تکلیف دے دینے اور کوئی عندیہ ظاہر نہ ہوتا تھا' اپنے سابقہ کھلاڑی ہونے کے زعم میں میں نے چوٹی پر جانے کا اعلان تو کر دیا مگر جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو

''تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے''

صرف نواز طائر اور عزیز بگتی ہی لشتم پشتم ان اونچی نیچی اور ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں کا چیلنج قبول کر پائے جب ہم لوگ چوٹی پر تصویریں وغیرہ کھینچ کر واپس آ رہے تھے تو حسن رضوی ایک چینی نوجوان جوڑے کو اشاروں میں انگریزی میں بتا رہا تھا کہ وہ ایک صحافی ہے اور اپنے اخبار کے لئے ان کی تصاویر بنانا چاہتا ہے اس نے چینی لڑکے کو کیمرے کا استعمال سکھایا اور خود لڑکی کے ساتھ کھڑا ہو گیا لڑکی پہلے مسکرائی مگر پھر پتہ نہیں اس کے جی میں کیا آئی کہ اس نے اپنی جگہ اپنے ساتھی لڑکے کو کھڑا کیا اور کھٹا کھٹ دو تین

تصویریں بنا کر کیمرہ حسن کے سپرد کر دیا جو ابھی تک ہکا بکا سا کھڑا تھا۔

چن شان باغ شہر کے شمال مشرق میں واقع ہے اس کے پیچھے پرانا اور سامنے نیا شہر ہے پہاڑی کی بلندی سے یہ منظر بہت عجیب لگتا ہے۔ نیا بیجنگ High Rise عمارات' بڑی بڑی سڑکوں اور جدید شہروں کے سارے لوازمات سمیت چاروں طرف پھیلتا جا رہا ہے اور پرانا شہر جیسے اپنے اندر سمٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے' فرسودہ بوسیدہ اور شکستہ عمارتیں کینسر کے مریض کی طرح جیسے اندر ہی اندر گھل رہی ہیں تھانگ نے بتایا کہ اب ان کی حفاظت کے لئے عوامی تحریکیں اٹھ رہی ہیں اور اس بات کا احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ اس ثقافتی ورثے کو مکمل تباہی سے بچانا چاہیے سو اب بچے کھچے پرانے شہر کو قائم اور محفوظ رکھنے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

باغ میں کیکٹس کی طرح کے چھوٹے چھوٹے جھاڑی نما درخت تھے جو اس سے پہلے ہم نے صرف چینی تصویروں میں ہی دیکھے تھے ایک جگہ ایک بہت بوڑھا اور پرانا درخت نظر آیا جس میں ایک عجیب طرح کی پراسراریت تھی' اسے دیکھنے سے ایک عجیب طرح کی تھکاوٹ کا احساس ہوتا تھا بروہی صاحب نے منیر نیازی کو درخت دکھاتے ہوئے کہا۔

''اس درخت کو دیکھو بالکل ہمارے جیسا لگتا ہے۔''

میں نے کہا' بروہی صاحب آپ کی اس بات پر میرا دل ''بیوٹی فل'' کہنے کو چاہ رہا ہے۔

پتہ نہیں کیسے گفتگو ان مخلوقات کے ذکر تک پہنچی جنہیں چینی بڑی رغبت سے کھا جاتے ہیں اجمل خٹک نے کہا۔

''چینیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ انہیں جو چیز بھی زمین پر ہلتی نظر آئے کھا جاتے ہیں۔''

ڈاکٹر فرمان نے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے کہا۔

''شاید اسی لئے یہاں درختوں کے پتے بھی نہیں ہل رہے۔

بروہی نے جھوم کر کہا۔ ''بیوٹی فل''

چن شان باغ کی اس سیر سے متعلق ایک اور خاص بات جو یقیناً قابل ذکر ہے یہ ہے کہ یہاں ہم نے پہلی بار کسی گداگر کو دیکھا سڑک پار کرنے کے لئے بنائے گئے زیر زمین رستے کے دروازے پر وہ ایک پھٹے پرانے اوور کوٹ میں لپٹا بیٹھا تھا اور اس کا پھیلا ہوا ہاتھ ایک ایسی زبان میں باتیں کر رہا تھا جسے اس دنیا کا ہر آدمی اچھی طرح جانتا ہے۔

دوپہر میں پھر وہی کیپٹل ہوٹل تھا وہی میز اور وہی کھانا' چونکہ اکثر ساتھی ہر چیز بڑی رغبت سے کھا رہے تھے اس لئے میں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی اور نسبتاً سمجھ میں آنے والی خوراک کی ریزہ چینی کرتا رہا۔ خیال تھا آخر میں سوپ آئے گا تو ساری

کسر نکالوں گا مگر سوپ آیا تو وہ انڈے کی سفیدی کا تھا یعنی ابلے ہوئے پانی میں سفیدی پھینٹ کر ڈال دی گئی تھی یا شاید اسے ڈالنے کے بعد پھینٹا گیا تھا میں نے تھانگ سے کہا۔

کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ ہوٹل والے ان انڈوں کو کچھ وقت دے دیتے عین ممکن ہے کہ اس طرح ہمیں مرغی کا سوپ مل جاتا۔

بروہی نے تقریباً میرے کان میں کہا۔

''بیوٹی فل''

تھانگ نے وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں ہوٹل کے متعلقہ افراد سے بات کرے گا' نواز طائر نے اپنے پیالے میں سوپ ڈالا اور چکھا اور اجمل خٹک کی طرف خوش باش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو بہت اچھا ہے۔''

شام پانچ بجے بیجنگ کے ادیبوں سے ملاقات تھی سو کھانے کے بعد ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں بغرض آرام بھجوا دیئے گئے' تھوڑی دیر بعد یوسف عزیز آ گیا ابھی تک اس سے تفصیلاً بات چیت نہیں ہو سکی تھی سو اس موقعے کو غنیمت جان کر گپ بازی کا ایک باقاعدہ سیشن منعقد کیا گیا' مشترکہ دوستوں کی باتیں' وطن اور پردیس کے احوال' گزشتہ چند برسوں کے دکھ سکھ اور چین کے قیام سے متعلق معاملات پر گفتگو ہوئی خوراک کے مسائل بھی زیر بحث آئے لیکن یوسف نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ فکر نہ کریں چند دن میں آپ عادی ہو جائیں گے۔

میں نے کہا' یار تم یوسف ہی رہو برادر یوسف نہ بنو' اگر مینو یہی رہا تو چند دن تو چھوڑ میں ساری زندگی بھی یہاں گزاروں' پھر بھی حالات یہی رہیں گے۔

اس پر یوسف نے کچھ ایسے مشورے دیئے جو تیر بہدف تو نہیں تھے لیکن جن کی مدد سے آئندہ صورتحال کچھ بہتر ہو گئی ویسے یوسف کی یہ بات بھی غلط نہیں تھی کہ جب سر پر پڑتی ہے تو آدمی عادی ہو ہی جاتا ہے۔

ایک بوڑھی عورت نیند نہ آنے کے مرض میں مبتلا تھی ڈاکٹروں سے مایوس ہو کر ایک ہپناٹسٹ کے پاس گئی وہ بے چارا ابھی کوئی دو گھنٹے اسے ''آپ سو رہی ہیں آپ کو نیند آ رہی ہے' وغیرہ وغیرہ کہتا رہا مگر بات نہیں بنی بالآخر اس نے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''میں معافی چاہتا ہوں خاتون کہ میں آپ کو سلانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''

اس پر وہ عفیفہ بولی۔

''خیر تم بالکل بھی ناکام نہیں رہے' کم از کم میری ٹانگیں سو گئی ہیں۔

چینی ادیبوں سے ملاقات ہوٹل ہی کے ایک کانفرنس روم میں تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ یہاں بھی پاکستان کی طرح ہی بہت سے مقامی ادیب و شاعر ہوں گے لیکن وہاں انہوں نے ایک کے بدلے ایک کا اصول روا رکھا تھا یعنی آٹھ مہمان اور آٹھ ہی میزبان' میزبانوں میں سے پانچ ایسے تھے جو مختلف وفود کے ساتھ پاکستان کا دورہ کر چکے تھے' سو ان کے چہروں اور باتوں میں ایک ایسی شناسائی کی روشنی تھی کہ ملاقات کے دوران اجنبیت کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔

حسن رضوی نے پاک چین دوستی پر ایک گیت لکھا تھا جس کا چینی ترجمہ اس نے رومن سکرپٹ میں لکھ رکھا تھا اور اسکی ادائیگی کی باقاعدہ مشق کرتا رہا تھا' چینی میزبانوں نے اس کی کوشش اور جذبے کی دل کھول کر داد دی' اس کے بعد میں نے چو این لائی پر لکھی ہوئی اپنی نظم سنائی جس کا ترجمہ تھانگ نے کیا' مشہور چینی شاعر چن پھنگ نے جو دو مرتبہ پاکستان آ چکے ہیں اپنی نظم ''کوئٹہ'' سنائی جس کا منظوم ترجمہ انتخاب عالم نے کیا تھا میں نے یہ ترجمہ پڑھ کر سنایا' اس کے بعد کتابوں' خیر سگالی کے کلمات اور سوالات کا تبادلہ ہوا اور ہمارے صوفوں کے ساتھ تپائیوں پر سبز قہوے کے بڑے بڑے مگ پڑے تھے جنہیں وقفے وقفے کے بعد پھر لبریز کر دیا جاتا تھا۔ یہ عمل چین کے پورے دورے میں ہر جگہ دہرایا گیا۔

منیر نیازی تھانگ کے ذریعے بڑی دیر سے کوئی بات کرنا چاہ رہے تھے مگر تھانگ ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ منیر صاحب کی بات سنو۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' منیر نیازی نے میری طرف شکایتی نظروں سے دیکھا اور کہا۔

''یار تم میری وکالت کیوں کرتے ہو' میں خود بات کر سکتا ہوں۔''

اپنے جذبہ خیر سگالی کی اس بے قدری پر میں کچھ ٹپٹا سا گیا' باقی لوگ بھی پریشان سے ہو گئے تھے سو میں نے بات کو ہنسی میں ٹالنے کے لئے کہا۔

''منیر صاحب' آپ سے نیکی کرنا بڑا مشکل کام ہے۔''

بروہی نے بڑی داد بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور لہرا کر بولے۔

''بیوٹی فل''

کیپٹل ہوٹل کے استقبالیہ پر مختلف ممالک کا وقت بتانے والی بہت سی گھڑیاں نصب تھیں لیکن ان میں پاکستان کا وقت کہیں بھی

نہیں تھا۔ دل کو صدمہ سا ہوا'' بے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات'' قسم کے بہت سے خیالات ذہن میں آئے مگر پاک چین دوستی کے مضبوط رشتوں کے پیش نظر اس کا کوئی معقول جواز سمجھ میں نہ آ سکا' ہوسکتا ہے ہوٹل کے نقطہ نظر سے صرف ان ممالک کا وقت دیا گیا ہو جہاں کے لوگوں کی وہاں آمدورفت زیادہ رہتی ہو۔

Guest Relations Counter پر ایک سمارٹ سا غیری چینی نوجوان بڑی رواں چینی میں اپنی ساتھی لڑکی کو کچھ ہدایات دے رہا تھا ہمیں دیکھ کر مسکرایا اور پھر بڑے احترام اور عقیدت کے ساتھ سب سے ہاتھ ملانے لگا پتہ چلا کہ نام ناصر ہے' لاہور کا رہنے والا ہے بیجنگ یونیورسٹی میں ایم۔اے سائیکالوجی کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہاں کام بھی کرتا ہے ہم میں سے کچھ کو چہروں سے جانتا اور دل سے مانتا تھا' کہنے لگا یوں تو میرا کام ہی یہاں مہمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور ان کے ہوٹل سے متعلق مسائل کو حل کرنا ہے لیکن ہماری خدمت کے لئے وہ اس کے علاوہ بھی حاضر ہے۔

ہم لوگ اس وقت ڈالروں کو یوان میں تبدیل کروانے کا پروگرام بنا رہے تھے سو سب سے پہلے تو ناصر نے اس کا بندوبست کرایا اور ہمیں ہوٹل کے بینک سے سرکاری ریٹ پر غیر ملکیوں کے لئے مخصوص چینی کرنسی F.E.C لے کر دی معلوم ہوا کہ عام مارکیٹ میں ڈالر کی قیمت تقریباً دس فیصد زیادہ ہے مگر اس کے بدلے میں عام اور مروجہ کرنسی ملتی ہے یہاں کے قانون سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے افراد سے زیادہ ملک کی بدنامی ہوتی ہے ناصر کو یوسف کی بات سے اتفاق تھا مگر اس کا موقف یہ تھا کہ یہ کام اب اتنا عام ہوچکا ہے کہ اس غلط العام کے انداز میں قبول کرلیا گیا ہے اور ہمارے محدود ڈالروں کے پیش نظر اگر اس رعایت سے فائدہ اٹھالیا جائے تو کوئی اتنا غیر مناسب بھی نہیں ہوگا۔

متفقہ طور پر یوسف عزیز کے مشورے پر عمل کیا گیا کہ اس وقت ہماری حیثیت ثقافتی سفیروں کی سی تھی اور ایسے باعزت مقام کی خاطر اتنی معمولی سی قربانی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی بعد میں پتہ چلا کہ جو کرنسی ہمیں دی گئی ہے اس کی قیمت بھی بینک میں عام کرنسی سے کچھ زیادہ ہے کیونکہ اس کے بدلے میں ڈالر خریدے جاسکتے ہیں' ڈالر کا زہر بہت کم مقدار میں سہی چینی معاشرے کے وجود میں بھی جگہ بنا چکا ہے' وہاں سے سوشلسٹ اور سرمایہ دارانہ نظام کی کشمش پر گفتگو کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا جو دو گھنٹوں پر محیط سیر کے دوران بھی چلتا رہا۔

ہوٹل سے تھیان من چوک کوئی پانچ چھ فرلانگ تھا لیکن منیر نیازی کے خیال میں یہ فاصلہ بھی بہت زیادہ تھا جبکہ اجمل خٹک سیر کو فاصلے کے بجائے وقت کے پیمانے سے ناپنے کے قائل تھے اور ان کی مختصر چہل قدمی بھی ایک گھنٹے سے زیادہ ہوتی تھی' سو طے پایا کہ

منیر صاحب چوک کے ایک مخصوص کونے میں ہمارا انتظار کریں اور آتی جاتی خلقت کے مشاہدے سے اپنی نظموں کے لئے موضوعات تلاش کریں اور ہم اس اثناء میں ایک چکر لگالیں' اجمل خٹک نے بتایا کہ چند برس پہلے تک اس سڑک پر خال خال کوئی موٹر دکھائی دیتی تھی البتہ سائیکلوں کا ہجوم اس سے کہیں زیادہ ہوتا تھا میں نے اپنے چاروں طرف آتی جاتی بے شمار سائیکلوں کو دیکھا اور پتہ نہیں کہاں سے ایک پیروڈی کا شعر دھیان کی وادی میں چلا آیا جسے غالباً کنہیالال کپور کے کسی مضمون میں پڑھا تھا۔

فون آیا ہے دل زار نہیں کوئی نہیں
سائیکل ہو گا کہیں دور چلا جائے گا

منیر نیازی کو وہاں چھوڑ کر ہم لوگ بھی ہجوم کا حصہ بن گئے جو چاروں طرف رواں دواں تھا چین میں اس قدر آبادی کے باوجود بچے بہت کم نظر آتے ہیں شاید اسکی وجہ ایک بچہ فی خاندان کی وہ پابندی ہو جو گزشتہ چند برس سے عائد کی گئی ہے عورتیں مرد اپنے عمر چور چہروں کے ساتھ ہنستے کھیلتے اور باتیں کرتے کہیں منڈیوں کی صورت میں اور کہیں جوڑوں کی شکل میں کھلی ہموار پختہ اور بہت وسیع جگہ پر بیٹھے تھے سڑک کے لیمپوں کی روشنی میں کچھ بوڑھے مرد وزن تاش کھیلتے نظر آئے جن کے گرد کچھ لوگ کھیلنے والوں سے بھی زیادہ دلچسپی کے ساتھ کھیل کا جائزہ لے رہے تھے اور وقتاً فوقتاً ہدایات بھی جاری کر رہے تھے کہیں کہیں نوجوان جوڑے کبوتروں کی طرح چونچ ملائے یا ملانے کے چکر میں کھڑے تھے مگر ان کے چہروں پر بھی ایک سنجیدگی کا سا تاثر غالب تھا پتہ چلا کہ چین میں جنس کے بارے میں خاصی آزادی کا ماحول ہے مگر پبلک مقامات پر اس کا اظہار پسند نہیں کیا جاتا' شادی سے پہلے لڑکے لڑکی کی ملاقات پر طرفین کے والدین غیر جانبدار رہتے ہیں اور شادی کے بعد نئے جوڑے کو علیحدہ رہائش فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے' ماؤزے تنگ کے بعد سے چینی عوام ریڈ بک کی تقلید سے آزاد ہو چکے ہیں اور ان کے لباس میں بالخصوص بہت تبدیلی آئی ہے لڑکیاں عام طور پر جدید تراش خراش کے خوبصورت رنگین کپڑے پہنتی ہیں لیکن جسم کی نمائش کا خصوصی اہتمام نہیں کرتیں یوں بھی ان کے جسموں کی قدرتی ساخت ایسی ہے کہ "سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا" والی کیفیت کم کم ہی پیدا ہوتی ہے۔

ہم اپنی رو میں باتیں کرتے چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک جیکٹ پتلون میں ملبوس چینی لڑکی آتی نظر آئی اس کی چال سے ایک عجیب طرح کی بے فکری اور سرخوشی نمایاں تھی اور غالباً وہ کسی گیت کی لے پر جھوم بھی رہی تھی ہمیں دیکھ کر ایک دم رکی' مسکرائی اور پھر مصافحے کے لئے ہاتھ پھیلا دیا ہم نے حسب توفیق "نی ہاؤ" یعنی "آپ کیسے ہیں" کہا جس کا جواب اس نے "نی ہاؤ" سمیت کئی اور لفظوں کے ساتھ دیا اور پھر قدرے اونچی آواز میں کوئی گیت گاتے ہوئے تقریباً ناچنے لگی اب صورتحال کچھ عجیب سی ہو گئی تھی ہم

چاروں کچھ بکے بکے سے کھڑے تھے اور وہ مستی گاتی ہمارے گرد چکر کاٹ رہی تھی' بروہی صاحب میرے کان میں بولے۔

''بیوٹی فل''

میں نے کہا' بروہی صاحب مجھے دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے آپ ذرا غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھئے یا تو یہ نشے میں ہے یا اس کا دماغی توازن کچھ گڑبڑ ہے۔ اس سے پہلے کہ بروہی صاحب کوئی جواب دیتے اس نے پھر ہم سے ہاتھ ملانا شروع کر دیا اب کے ذرا زیادہ ہاتھ ملا رہی تھی اور نثری نظم کے سے انداز میں کچھ کہتی بھی جا رہی تھی اجمل خٹک نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کا خیال ٹھیک ہے' اس کی دماغی صحت ٹھیک نہیں ہے۔''

عزیز بگتی نے ہمارے پیچھے پناہ لیتے ہوئے کہا۔

''یہ تو واقعی پاگل لگتی ہے۔''

ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں تیز تیز چلتے ہوئے اس سے دور ہو جانا چاہیے تاکہ کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں مگر اب مشکل یہ آن پڑی کہ اس نے بھی ہمارے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا ہم رکتے تو وہ بھی رک جاتی اور اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے ناچنا شروع کر دیتی ہمیں اس کے مدہوش یا دیوانہ ہونے کا یقین تو آ چکا تھا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے جان کیسے چھڑائی جائے' میں نے بروہی صاحب سے کہا۔

بزرگوں نے سچ ہی کہا ہے کہ بات سمجھ کر کرنی چاہیے کیونکہ بعض اوقات اپنی کہی ہوئی بات ہی آگے آ جاتی ہے' ہم دوست مستنصر حسین تارڑ کے ابتدائی سفرناموں میں پائی جانے والی خواتین پر جملے بازی کیا کرتے تھے کہ ان میں کوئی بھی جسمانی طور پر صحیح وسالم نہیں ہوتی تھی اب دیکھئے ہمارے نصیب میں یہ بی بی آئی ہے جس کا اپر چیمبر ہی اپنی جگہ سے کھسکا ہوا ہے۔

بروہی صاحب نے لطف لینے کے انداز میں سر کو ہلایا اس عفیفہ کو غور سے دیکھا اور جھوم کر بولے۔

''بیوٹی فل''

یہ داد میرے جملے کے لئے تھی یا اس دشمن عقل و ہوش کے لئے اس کا مجھے پتہ نہیں چل سکا۔

اجمل خٹک' مسکراتے ہوئے بولے۔

''اگر رضوی صاحب اس وقت ساتھ ہوتے تو ''جنگ'' کے لئے اس کی کم از کم دس تصویریں بنا چکے ہوتے۔

بروہی صاحب اپنا کیمرہ سیٹ کرتے ہوئے بولے' ایک تصویر میں کھینچ لیتا ہوں اس کے کام آ جائے گی۔

لڑکی نے کیمرے کی طرف دیکھا اور پھر ایک ایسا پوز بنا کر کھڑی ہوگئی کہ بروہی صاحب ''بیوٹی فل'' کہنا بھی بھول گئے۔

جب ہم واپس اس جگہ پر پہنچے جہاں منیر نیازی کو چھوڑ آگیا تھا تو ان سے ملتی جلتی کوئی چیز وہاں نہ ملی تقریباً دس پندرہ منٹ ہم وہاں اس امید پر کھڑے رہے کہ شاید وہ کہیں ہوں اور ہمیں دیکھ کر آ جائیں' میں نے ساتھیوں کو منیر نیازی کا ایک بہت مشہور شعر سنایا کہ

آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے
ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے

اور اپنے سابقہ تجربات کی بنیاد پر مشورہ دیا کہ ہمیں ہوٹل کی طرف چلنا چاہیے منیر صاحب یقیناً وہاں موجود ہوں گے' اور ایسا ہی ہوا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس ساری کارروائی کے لئے بالآخر شرمندہ بھی ہمیں ہی ہونا پڑا بروہی نے میرا کندھا دباتے ہوئے کہا۔

''تم نے بڑی بیوٹی فل بات کی تھی' منیر سے نیکی کرنا واقعی بڑا مشکل کام ہے۔''

چھن اور تھانگ نے بتایا کہ انہوں نے کچھ پھل ہمارے کمروں میں رکھوا دیئے ہیں تا کہ جو لوگ ابھی تک ''خوراک'' سے ایڈجسٹ نہیں کر پائے ان کی کچھ ''شکم شوئی'' ہو سکے کچھ آڑو ہیں اور کچھ کیلے۔

منیر نیازی نے ایک لمبی سی انگڑائی لی اور کہا مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔''

''مجھے بھی۔'' نواز طائر نے فوراً تائید کی۔

تھوڑی دیر بعد میرے کمرے کی گھنٹی بجی۔ دروازہ کھولا تو منیر صاحب پریشان سے کھڑے تھے کہنے لگے' میں نے تمہارے دھوکے میں ساتھ والے کمرے میں سوئے ہوئے آدمی کو جگا دیا ہے یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے آڑو بھی کچے ہیں؟

میں نے کہا۔ میں نے ابھی دیکھے نہیں' آیئے چیک کر لیتے ہیں۔

آڑو تقریباً خربوزے کے سائز کے تھے' میں نے کہا یہ تو ایک آڑو سے پیٹ بھرا جا سکتا ہے۔ نیازی صاحب نے آڑو پر ایک تنقیدی نظر ڈالی اور متذبذب سے لہجے میں پوچھا۔

''اس میں Salt تو نہیں ہوتا؟ تمہیں پتہ ہیں میں آج کل Low Salt پر ہوں' ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتا انہوں نے آڑو کو واپس اس کی جگہ پر رکھا اور کمرے سے نکل گئے۔ کیا حسب حال شعر ہے ان کا

عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا' اکتائے ہوئے رہنا

ابھی میں منیر نیازی کے اس آنے جانے کا مقصد ہی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ چانگ شی شوانگ (انتخاب عالم) اپنی مخصوص' پورے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا حسب معمول بیس کلومیٹر سائیکل چلا کر آ رہا تھا مگر چہرے پر ایسی تازگی تھی جیسے ابھی ابھی گہری نیند سے تازہ دم ہو کر اٹھا ہے اس نے بتایا کہ اس کی بیوی کی حالت اب بہتر ہے۔ ڈاکٹروں نے گلوکوز لگا دی ہے تاکہ کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو سکے' بروہی نے فون پر بتایا کہ ان کے کمرے میں چائے تیار ہے اور وہ پہلے آئیے پہلے پائیے کے اصول پر ہمارے منتظر ہیں' ان کے کمرے میں فرمان صاحب اور عزیز بگتی پہلے سے موجود تھے چند لمحوں بعد حسن بھی آ گیا' پتہ نہیں کیسے گفتگو چلتے چلتے چینیوں کے لباس بلکہ کم لباسی پر آ گئی کسی نے کہا'

''کیا بات ہے آج دن میں زیادہ تر قمیض اتارے خالی نیکریں پہنے پھرتے نظر آئے ہیں۔''

''گرمی بہت ہے۔'' انتخاب عالم نے بڑی سنجیدگی سے وضاحت کی۔

''کیا یہ گرمی یہاں صرف لڑکوں کو لگتی ہے لڑکیوں نے تو پورے کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ انہوں نے دھوپ روکنے کے لئے پہن رکھے تھے۔ انتخاب نے برجستہ جواب دیا۔

24 اگست کی صبح سب سے پہلا خیال میرے دل میں آیا وہ یہ تھا کہ آج میرے چھوٹے بھائی احسن کی سالگرہ ہے اور اس نے مجھے اپنے گرتے ہوئے بالوں کے لئے چین کا مشہور تیل 101 لانے کے لئے کہا تھا' ہوٹل کے یورپی کھانے والے حصے میں جی بھر کر ناشتہ کرنے کے بعد میں سیدھا ہوٹل کے اندر واقع ایک شوروم نما دکان پر گیا اور تیل طلب کیا کاؤنٹر پر موجود لڑکی نے غور سے میرے سر کی طرف دیکھا اور پھر اس انداز میں کندھے اچکائے جیسے کہہ رہی ہو کہ جتنے مرضی تیل لگا لو اس سر پر بال نہیں اگ سکتے۔

اس نے بتایا 101 واقعی بڑی مؤثر اور کامیاب دوا ہے لیکن مختلف سروں کے لئے مخصوص تیل ہیں اور جب تک یہ علم نہ ہو کہ بال کب اور کیوں گرنے شروع ہوئے اور ان کی اس افتادگی کی اصل وجہ کیا ہے تیل خریدنا بیکار رہے ہوگا' سو بہتر ہوگا کہ پہلے آپ کسی ڈاکٹر سے مل لیں۔

میں نے اس کے مشورے کا شکریہ ادا کیا اور اظہار تشکر کے طور پر چند ایسی چیزیں خریدیں جن کی مجھے قطعاً ضرورت نہیں تھی۔

آج ''دیوار چین'' دیکھنے کا پروگرام تھا انسانی محنت کے اس عظیم شاہکار کے بارے میں اتنا کچھ سن اور پڑھ رکھا تھا کہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا تصور ہی بڑا ایکسائٹنگ تھا' خلابازوں کے بیان کے مطابق یہ ہماری زمین کی واحد نشانی ہے جو بہت بلندی سے بھی نظر آتی اور پہچانی جاتی ہے معلوم ہوا کہ دیوار کا جو حصہ بیجنگ کے قریب سے گزرتا ہے وہ یہاں سے تقریباً 75 کلومیٹر دور ہے۔

بیجنگ سے نکلتے ہوئے راستے میں ایک چوک سا پڑا جس کے درمیان ایک بڑا سا مینار استادہ تھا اور اس مینار کے اوپر ایک گھڑسوار شخص کا مجسمہ رکھا گیا تھا معلوم ہوا کہ یہ ایک کسان مجاہد آزادی لیز چھنگ کا مجسمہ ہے جس نے بادشاہ کے ظلم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور تین مہینے حکومت کی تھی بعد میں یہ بغاوت ناکام ہوگئی اور لیز چھنگ کے وجود کے ساتھ اس کا نام بھی تاریخ کے غبار میں گم ہوگیا اب موجودہ حکومت نے تاریخ کے صفحات سے گمشدہ ہیروز کی بازیافت کا عمل شروع کیا ہے تو لیز چھنگ کی بھی سن گئی ہے یہ مجسمہ 1990ء میں یہاں نصاب کیا گیا تھا یہ گویا ایک طرح سے ماضی کے دوبارہ رشتہ آراء ہونے کی بھی کوشش ہے اور اجتماعیت کے اس عظیم حصار میں جسے چینی نظام کہتے ہیں افراد کی اہمیت اور کارناموں کو بھی تسلیم کیا جانے لگا ہے' چینی نظام میں شخصیت پرستی کو استعمار کی علامت سمجھتے ہوئے بہت بری طرح رد کیا گیا ہے اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے چین میں کوئی سڑک یا عمارت کسی فرد کے نام پر نہیں ہے اس پر مجھے خیال آیا کہ ہمارے یہاں تو بعض سڑکوں کے نام متعلقہ سڑکوں سے بھی لمبے ہیں کیونکہ ان میں اس شخص کا نام بمعہ القابات' خاندان اور عہدوں کے سمیت لکھا جاتا ہے جس سے وہ سڑک منسوب ہوئی ہو۔

کوئی ایک گھنٹہ چلنے کے بعد ہمارا کوسٹر ایک ایسی جگہ رکا جہاں دور دور تک دیوار چین جیسی کوئی چیز نہیں تھی یوسف عزیز نے بتایا کہ اس علاقے میں منگ خاندان کے بادشاہوں کے مقبرے ہیں اور اس وقت یہاں ہم ایک مقبرہ دیکھنے کے لئے رکے ہیں' ہمارے لیے ٹکٹ خریدے گئے جو خاصے مہنگے تھے کسی نے کہا ان بادشاہوں کے تو مرے ہی مرے ہیں جیتے جی بھی مہنگے تھے اور اب بھی سستے نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت کی قبر خاصی گہرائی میں ہے اور ہمیں تقریباً چار منزلیں پہلے نیچے اترنا اور پھر چڑھنا ہوگا یہ سنتے ہی منیر نیازی نے متعلقہ بادشاہ اور منگ خاندان کے بارے میں کچھ ایسے خیالات کا اظہار کیا جنہیں خیالات کے علاوہ کچھ بھی کہا جاسکتا ہے' اجمل خٹک کا ایک پھیپھڑا آپریشن کے ذریعے نکالا جاچکا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار تھے' مصر کے فرعونوں کی طرح چینی بادشاہوں کو بھی یقین تھا کہ ایک دن وہ دوبارہ زندہ ہوسکیں گے چنانچہ انہوں نے بھی اپنے مقبروں میں بہت سا ساز و سامان اور مال و دولت اپنے ساتھ دفن کروالیا تھا اور اسے دستبرد زمانہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی قبروں کو زمین دوز سنگی حصاروں میں تعمیر کروایا تھا۔ مقبرے کا سیلن زدہ راستہ طے کرتے ہوئے میر بہت یاد آئے۔

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

وہ ذی حشم لوگ جن کی جنبش ابرو سے لوگوں کی زندگیوں کے فیصلے ہوا کرتے تھے جب قبر کے گڑھے میں اترتے ہیں تو کتنے بے

حقیقت ہوجاتے ہیں انسانوں کو کیڑوں مکوڑوں سے زیادہ بے وقعت جاننے والی آنکھیں سچ مچ کے کیڑوں مکوڑوں کا رزق بن جاتی ہیں سرد اور بے رحم بریکٹوں کے درمیان کیسے کیسے منہ زور طوفان بند ہوجاتے ہیں اور کتاب میں صرف اتنا لکھا جاتا ہے فلاں ابن فلاں (پیدائش 1601ء وفات 1670ء) لیجئے قصہ ختم۔

مقبرے سے باہر آ کر کھلی ہوا میں لمبے لمبے سانس لینے کے درمیان میں نے اپنی نوٹس لینے والی ڈائری نکالی اور ساتھیوں سے یہاں مدفون منگ بادشاہ کا نام پوچھا کسی کو بھی اس کا نام یاد نہ آیا حالانکہ ہم نے اسے دو تین جگہ پڑھا اور تھانگ سے سنا بھی تھا۔ اللہ اکبر' اللہ اکبر' اللہ اکبر۔

سب لوگ ایک جگہ جمع ہوگئے تو تھانگ نے اعلان کیا کہ اب یہاں دوپہر کا کھانا کھایا جائے گا کیونکہ بارہ بجنے والے ہیں ہم نے بہت کہا کہ ابھی ناشتہ کئے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے کھانا دیوار دیکھنے کے بعد بھی کھایا جاسکتا ہے۔ تھانگ نے بڑی عاجزی سے کہا کہ سارے انتظامات ہوچکے ہیں اس لئے کھانا یہیں اور ابھی کھانا پڑے گا' تشریف لائیے۔

ہم سب مداری کے جمہوروں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے ایک نشئی سی شکل والا نوجوان ہمارے ساتھ ساتھ چلنے لگا' سینماؤں میں ٹکٹ بلیک کرنے والوں کی طرح وہ ایک ہی جملہ بار بار دہرا رہا تھا۔ ایک ڈالر کے چھ یوان' ایک ڈالر کے چھ یوان۔

ایک بار پھر مفاد اور ضمیر کی کشمکش شروع ہوگئی' کسی نے جمع تفریق کرلے بتایا کہ ہر ڈالر کے پیچھے تقریباً ایک یوان زیادہ مل رہا ہے اور پردیس میں اس سے کافی کام لیا جاسکتا ہے لیکن یہاں پھر ملک کے ثقافتی سفیر ہونے کا احساس غالب آیا اور کسی نے بھی اس بلیکئے نوجوان کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

کچھ تو اس دن گرمی زیادہ تھی اور کچھ بادشاہ سلامت کے عبرت کدے کا راستہ اور فاصلہ بھی نامعقول تھا۔

چنانچہ ہوٹل پہنچتے پہنچتے پسینہ سب کے ماتھوں پر چمک رہا تھا حسن نے میرے فارغ البال سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ پسینے کی وجہ سے تمہارے بال اور بھی کم لگ رہے ہیں۔

میں نے کہا' بات یہ نہیں کہ میرے سر پر بال کم ہیں اصل میں میرا سر زیادہ بڑا ہے۔

بروہی صاحب تقریباً قربان ہونے کے انداز میں لہکے۔

"بیوٹی فل"

عزیز بگتی نے تھانگ کے ذریعے پتہ کیا کہ اس کمرے کا ائیر کنڈیشنر خراب ہے کھانے کی میز قدرے چھوٹی تھی اس لئے اس پر

کراکری کے شوروم کا گمان ہو رہا تھا۔ میں نے کیمرہ رکھنے کے لئے جگہ بنانی چاہی تو معلوم ہوا کہ اس کا کیس غائب ہے۔ ہم نے احمد فوڈ کے دو تین ڈبے گرم کرنے کے لیے ہوٹل کے سٹاف کو دیے تھے تا کہ کھانے میں کچھ ورائٹی پیدا ہو جائے۔ ویٹرس نے برتنوں اور کوکا کولا کی بوتلوں کے درمیان سالن کا ڈونگا رکھنے کے لئے جگہ بنانے کی کوشش کی وہ تو اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی لیکن کوکا کولا کی چار بوتلیں یوسف عزیز اور میرے کپڑوں پر آ گریں بچنے کی غیر ارادی کوشش میں ہم نے مزید دو چار پلیٹیں گرائیں جن کے ساتھ کیمرہ بھی زمین بوس ہوا اور اپنی فلش کے شیشے سے محروم ہو گیا' کچھ ایسی افراتفری کی فضا بن گئی کہ ارد گرد کی میزوں کے لوگ اپنا کھانا بھول کر ہماری طرف دیکھنے لگے خفت مٹانے کے لئے ہم نے ہوٹلوں سے متعلق لطیفے شروع کر دیئے ایک لطیفہ بہت ہٹ رہا۔

''ایک خاتون کا شوہر ہوٹل میں بیرا تھا' وہ مر گیا۔ کچھ عرصے بعد خاتون ایک روحیں بلانے والے عامل سے ملی جس نے اسے یقین دلایا کہ وہ اس کے شوہر کی روح سے اس کی ملاقات کرا سکتا ہے۔ خاتون نے مطلوبہ فیس ادا کی اور عامل نے اپنا عمل شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد اس خاتون نے محسوس کیا کہ وہ اسی ہوٹل میں بیٹھی ہے جہاں اس کا مرحوم شوہر کام کرتا تھا چند لمحوں بعد اس کو شوہر بھی نظر آ گیا جو قدرے فاصلے پر ایک میز پر کھانا لگا رہا تھا خاتون نے خوش ہو کر اسے آواز دی اور اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ شوہر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا مگر پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ خاتون نے پریشان ہو کر کہا تم میرے پاس کیوں نہیں آتے؟ شوہر نے سر جھکا کر کہا ''میں وہاں نہیں آ سکتا کیونکہ وہ میز میری نہیں ہے۔''

منیر نیازی نے پب کے حوالے سے ایک بہت دلچسپ لطیفہ سنایا۔

''ایک آدمی جھومتا ہوا شراب خانے میں آیا اور مینجر سے کہا کہ میں آج بہت خوش ہوں اس لئے میری طرف سے تمام موجود لوگوں کو ان کی پسند کی شراب پلاؤ' خود بھی پیو اور اپنے سٹاف کو بھی دو۔ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی جب بل مانگا گیا تو پتہ چلا کہ موصوف کے پاس ایک دمڑی بھی نہیں۔ مینجر نے فون کر کے پولیس بلوائی جو اس ماڈرن حاتم طائی کو گرفتار کر کے لے گئی۔ ایک مہینے کی قید کاٹ کر موصوف پھر اسی پب میں آئے اور وہی آرڈر دہرایا مگر اب کے مینجر کو شراب آفر نہیں کی۔ مینجر نے اسے پہچان لیا اور شرارتاً پوچھا کہ مجھے کیوں اس نوازش سے محروم رکھا جا رہا ہے' اس پر وہ شخص بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''تمہیں میں شراب اس لئے نہیں پلوا رہا کہ تم پی کر آؤٹ ہو جاتے ہو اور پھر پولیس بلوا لیتے ہو۔''

دیوار چین کے بارے میں پتہ چلا کہ یہ شروع میں مختلف شہروں کے گرد حملہ آوروں سے دفاع کے لئے بنائی گئی تھی یہ تقریباً تین سو سال قبل مسیح میں بننا شروع ہوئی اور ایک ہزار سال تک مختلف وقفوں میں بنتی چلی گئی پھر غالباً منگ خاندان کے زمانے میں ان

ٹکڑوں کو یکجا کرنے اور ایک طویل دیوار کی شکل دینے کا کام شروع ہوا فی الوقت پندرہ سو میل لمبی اس دیوار کے کچھ حصہ شکستہ ہو کر ٹوٹ چکے ہیں لیکن اپنی تاریخی اہمیت کے اعتبار سے اس کے وقار میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یہ انسانی محنت کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اونچے اونچے پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان سانپ کی طرح رینگتی ہوئی یہ دیوار اتنی چوڑی ہے کہ اس پر بیک وقت آٹھ گھوڑے ایک سال چل سکتے ہیں۔ تھانگ نے بتایا کہ چند ماہ پہلے یہاں چیئر لفٹ بنائی گئی ہے جو زمین سے آپ کو دیوار تک لے جاتی ہے اور یوں آپ اس کی سخت چڑھائی چڑھنے سے بچ جاتے ہیں۔ دیوار چین کے بارے میں کسی نے ماؤزے تنگ (غالباً) کا ایک جملہ سنایا۔

''بزدل وہ ہے جو دیوار چین تک آئے اور اس پر چڑھے بغیر لوٹ جائے۔''

لفٹ سٹیشن کے باہر ٹکٹ گھر بنے ہوئے تھے غیر ملکیوں کی کھڑکی علیحدہ تھی ہمارے میزبان ہمیں ایک طرف کھڑا کر کے ٹکٹ لینے چلے گئے۔ منیر نیازی نے ایک نظر دیوار کی طرف جاتی ہوئی چیئر لفٹوں کو دیکھا اور اعلان کیا کہ ان کا ارادہ دیوار چین کے اوپر تک جانے کا نہیں ہے وہ یہیں بیٹھ کر اس سے مکالمہ کریں گے۔ جب انہیں ماؤ کا جملہ سنایا گیا تو انہوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ماؤ کی باتیں تو اب خود ان کی قوم نہیں مان رہی' ہم کیوں اس کی پابندی کریں؟ بہت دیر تک گفتگو ماؤ کی ریڈ بک اور موجودہ چینی معاشرے کے بارے میں ہوتی رہی' ایک دم کسی کو خیال آیا کہ ہمارے میزبان بہت دیر سے ٹکٹ گھر کے علاقے میں آ جا رہے ہیں اور اگرچہ ان کے چہروں سے کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہیں ہو رہا لیکن کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس گڑبڑ کا بھی پتہ چل گیا' ٹکٹ گھر والے اس بات پر مصر تھے کہ چونکہ ہم غیر ملکی ہیں اس لئے ہماری ٹکٹوں کی ادائیگی بھی غیر ملکیوں کے لئے مخصوص کرنسی F.E.C میں ہو گی جبکہ ہمارے میزبانوں کے پاس ریگولر کرنسی تھی اور وہ شرم سے ہمیں بتا نہیں رہے تھے۔

چیئر لفٹ بہت خوبصورت اور آرام دہ تھی اور اس میں چڑھنے اترنے کے لئے ہماری ایوبیہ اور مری کی چیئر لفٹوں کی طرح بے معنی دوڑ بھاگ نہیں کرنا پڑتی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ فرانس کی کمپنی Poma نے بنائی ہیں۔ تھانگ نے بتایا کہ گزشتہ دنوں پاکستان سینٹ کے چیئرمین وسیم سجاد یہاں آئے تھے ان کے ساتھ پاکستان میں چین کے سابق سفیر بھی تھے جنہیں اسی لفٹ میں دل کا دورہ پڑا اور وہ انتقال کر گئے۔ یہ سن کر منیر نیازی نے ساتھ ساتھ دیوار چین کی طرف سے بھی منہ موڑ لیا۔

لفٹ نے ہمیں دیوار کے اوپر پہنچا دیا پتہ نہیں کیوں وہاں مجھے یگانہ چنگیزی کا یہ شعر یاد آیا۔

بلند ہو تو کھلے تجھ پہ راز پستی کا
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا

اس بظاہر سادہ سے سٹرکچر والی تعمیر کے پیچھے انسانی عظمت' محنت اور بصیرت کے کیسے کیسے رنگ جلوہ آراء تھے اس کی صحیح تفہیم اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر بہت مشکل ہے بروہی صاحب اپنے کیمرے سے کھٹا کھٹ ہماری تصویریں بنا رہے تھے۔ میں نے حسن کی تلاش میں نظریں دوڑائیں دیکھا تو وہ حسب معمول ایک چینی لڑکی کو نیم اشاراتی انگریزی میں بتا رہا تھا کہ یہ تصویریں ''جنگ'' میں چھپیں گی اور جنگ پاکستان کا بہت بڑا اخبار ہے جس کا وہ نمائندہ ہے۔ یہ لڑکی عام چینی لڑکیوں کی طرح تصویر اتروانے کی شوقین نہیں تھی چنانچہ وہ ہاتھوں کے اشارے سے انکار کرتی ہوئی پیچھے کی طرف ہٹ رہی تھی اور مزید ہٹتی اگر پیچھے دیوار نہ آ جاتی' حسن نے اپنا کیمرہ عزیز بگتی کو دیا اور لڑکی کے انکار کو ''رسمی'' تصور کرتے ہوئے اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ایک چینی نوجوان جو غالباً اس لڑکی کے ساتھ ہنستا ہوا آگے بڑھا اور لڑکی کو ایک طرف ہٹا کر حسن کے ساتھ کھڑا ہو گیا حسن کا عالم دیکھنے کے قابل تھا کیونکہ اسے یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ ہم سب یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ تصویر اتروانے کے بعد وہ کھسیانہ سا ہو کر ہماری طرف آیا میں نے کہا

''کوئی بات نہیں یار' ایسا بھی ہو جاتا ہے' یہ پوری فیملی آئی ہوئی ہے اگر تم کہو تو اس کی والدہ کے ساتھ تصویر بن سکتی ہے' خٹک صاحب سے سفارش کروا دیں گے کیونکہ وہ ان پر مسلسل مسکراہٹیں پھینک رہی ہے۔''

بروہی صاحب نے حسن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بیوٹی فل آئیڈیا''

دیواروں پر سیاحوں کا خاصا ہجوم تھا کوریا' تھائی لینڈ' جاپان' ہانگ کانگ اور چین کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگ ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ ہم لوگ اپنے نقوش اور لباس کی وجہ سے خاصے نمایاں تھے۔ ہمارے چاروں طرف خوشگوار مسکراہٹوں کا ایک میلہ سا لگا تھا جس سے بھی آنکھ ملتی ایک دوستی کا سایہ سا اپنی مہک چھوڑ جاتا۔ ''نی ہاؤ'' یعنی آپ کیسے ہیں کہتے مگر ہمارے لوگوں کی طرح نہ کوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا اور نہ ہی لوگ مجمع لگا کر کھڑے ہوتے جس کسی کو بھی پتہ چلتا کہ ہم پاکستانی ہیں تو ان کی آنکھیں ایک دم چمک اٹھتیں اور صاف معلوم ہو جاتا تھا کہ پاکستان کے لئے چینی عوام کے دل میں ایک خصوصی جگہ ہے۔ چھ سیٹوں والی تیس سے زیادہ لفٹیں مسلسل لوگوں کو لا اور لے جا رہی تھیں اونچی نیچی بے ڈھنگی پتھریلی سیڑھیوں پر زیادہ دیر چلنا مشکل ہو رہا تھا چنانچہ ہم نے ایک قدرے بلند جگہ پر کھڑے ہو کر تصویریں بنائیں اپنی حد نگاہ تک دیوار کو پہاڑوں میں گم ہوتے دیکھا اور پھر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس روانہ ہوئے کہ اس نے ہمیں اس عظیم عجوبے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع عطا کیا۔

نیچے منیر نیازی اکیلے ایک کرسی پر بیٹھے ہمارے انتظار میں بور ہو رہے تھے جب ہم نے انہیں دیوار کے حسن اور اپنی فوٹوگرافی کی

باتیں سنائیں تو انہوں نے یوسف عزیز سے کہا کہ دیوار کو پس منظر میں رکھتے ہوئے میری تصویریں بھی بناؤ' یوسف نے کہا اس لئے کہ راستے میں ایک بہت اچھا مقام آئے گا جہاں دیوار کا بہت سا حصہ بہت اچھی طرح نظر آتا ہے۔

رات کو یوسف عزیز اپنے ساتھ گھر لے گیا ہم نے فرمائش کر کے دال بنوائی تھی' چنانچہ جب بہت دیر تک کسی نے مرغی کے ڈونگے کو ہاتھ نہیں لگایا تو یوسف نے کہا "یہ مرغی میرے گھر کی نہیں بازار کی ہے آپ تو اسے دال برابر بھی نہیں سمجھ رہے۔"

کمرے میں آ کر ٹی وی آن کیا تو آرنلڈ شوازنیگر کی فلم "کمانڈو" چل رہی تھی یہ میرے بیٹے علی ذیشان امجد کی پسندیدہ فلم ہے اور وہ اسے دیکھ دیکھ کر نہیں تھکتا۔ ایک دم مجھ پر اداسی کا دورہ سا پڑا اور بیوی بچے کچھ اس طرح یاد آئے کہ اتنی تھکاوٹ کے باوجود بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ اسی چکر میں پورا اخبار پڑھ ڈالا۔ پاکستان کے بارے میں ایک سطر بھی نہیں تھی یہاں تک کہ دنیا کے کوئی تیس ملکوں کے موسم کی رپورٹ میں بھی ہمارا ذکر نہیں تھا' طبیعت اور بوجھل ہوگئی اقبال کا مصرعہ جیسے کمرے کی دیواروں پر نقش ہو گیا ہو۔

"ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات"

دن میں خریدے ہوئے پکچر کارڈ نکالے اور کوئی بیس کے قریب اہل خانہ اور دوست احباب کو خط لکھے' پھر اٹھ کر جرابیں دھونے کی کوشش کی۔ بیسن میں سٹاپر لگا کر پانی کھولا اس میں صابن اور جرابیں ڈالیں اتنے میں بروہی صاحب کا فون آ گیا کہ بڑی بیوٹی فل چائے تیار ہے پینی ہے تو آ جاؤ۔ ان سے بات کرنے میں چند منٹ لگ گئے اب جو باتھ روم کا دروازہ کھولا تو چاروں طرف پانی ہی پانی تھا اور جرابیں اس میں تباہ شدہ جہاز کے تختوں کی طرح تیر رہی تھیں' جس مہارت اور پھرتی سے تولیئے ڈال ڈال کر میں نے پانی خشک کیا اگر میری بیوی یہ منظر دیکھ لیتی تو اسے میرے پھوہڑ پن کے بارے میں اپنے بہت سے فیصلے بدلنے پڑتے۔

چین میں چونکہ رات کا کھانا سات بجے سے پہلے کھا لیا جاتا ہے اس لئے ہمارے معمولات کچھ عجیب سے ہو گئے تھے یعنی رات دس بجے یوں لگتا تھا جیسے آدھی رات ہوگئی ہے' بروہی صاحب کے کمرے میں حسن' عزیز بگتی اور فرمان بیٹھے تھے اور کرسٹینا لیمب کی کتاب Waiting for Allah پر گفتگو ہو رہی تھی۔ میری رائے پوچھی گئی تو میں نے بتایا کہ نہ تو میں مصنفہ کو جانتا ہوں اور نہ ہی اب تک یہ کتاب میری نظر سے گزری ہے سو مجھے آپ اس گفتگو کا واحد سامع سمجھئے' البتہ کتاب کے نام میں جو ایک شدید طنز کی کیفیت ہے اس کی بنا پر مجھے یہ کتاب دوست یا ہمدرد نہیں لگتی۔ اس پر سب دوستوں نے اتفاق کا اظہار کیا' میں نے بگتی سے یہ کتاب دو تین دن کے لئے عاریتاً لے لی اور اسے یونہی کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ کتاب کے کل چودہ باب تھے۔ اس کے نام کا پورا ترجمہ کچھ یوں ہو

گا۔

"خدا کے انتظار میں..... پاکستان میں جمہوریت کی جدوجہد"

بعد میں کتاب پڑھ کر اندازہ ہوا کہ یہ ایک غیر ذمہ دار اور نام نہاد مغربی صحافی خاتون کے پاکستان کے بارے میں وہ تاثرات ہیں جن کے پیچھے واقعاتی ثبوت یا علمی ایمانداری کا دور دور تک پتہ نہیں۔ ساری کی ساری کتاب مغرب کے اس پروپیگنڈے کا حصہ ہے جس کے ذریعے پاکستان کو ایک جمہوریت دشمن' غلط بنیاد پرست اور غیر ترقی پسند ملک بنا کر پیش کیا جاتا ہے' ہمارے معاشرے اور نظام کی غلطیاں اپنی جگہ لیکن ترقی یافتہ ملکوں خصوصاً امریکی نے پوری تیسری دنیا میں جو بدمعاشی شروع کر رکھی ہے اور دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کا جو انسان کش پروگرام بنا رکھا ہے اس کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے اب اس کتاب کے چند بابوں کے عنوان ہی دیکھ لیجئے۔

1. Inventing a Country
2. Gangsters in Bangals came to Islamabad
3. Tickets to the masked ball, democracy Pakistan style
4. But minister, who roles Pakistan
5. Sind, Land of Robin Hoods and warrior saints
6. Dial - a - Klashankov
7. Prophtes and lossses, the immoral Economy=
8. Resistance tours Ltd.
9. Squandering victory, Fighting to the last Afghan, for a dead man's dream.
10. Empire strikes back

موصوفہ کی معلومات کا ذریعہ زیادہ تر وہ پارٹیاں ہیں جن میں پاکستان کے حاکم اور مفاد پرست طبقوں کے افراد جمع ہوتے ہیں اور سمگل کی ہوئی شراب کے نشے میں اپنی گوری چمڑی سے مرعوبیت اور نام نہاد آزاد خیالی کی مجسم تصویر بن کر ایسی غیر ذمہ دارانہ گفتگو کرتے ہیں جو اصل پاکستانی عوام کی نہیں بلکہ ان کے اپنے طبقاتی مفادات کی نمائندہ ہوتی ہے ان لوگوں میں اعلیٰ سرکاری افسران' فیوڈل لارڈز کی جدید نسل اور عوام کے ٹھکرائے ہوئے سیاست دان سب ہی شامل ہیں۔ کھدر کی شلوار قمیض پہن کر سوشلزم کی باتیں کرنے والے بھی ہیں جن کی تقریروں میں روس اور گھروں میں امریکہ رہتا ہے' جمہوریت کے وہ دعویدار بھی ہیں جن کی جمہوریت ....

"All are equal, But some are more equal" کے اصول پر چلتی ہے (اور یہ "some" وہ خود ہیں)

اور مذہب کے وہ نام نہاد ٹھیکیدار بھی ہیں جن کے بارے میں اقبال نے ''دین ملاّ فی سبیل اللہ فساد'' کہا تھا۔

ایسے لوگوں کی باتوں کو بنیاد بنا کر یہ کتاب لکھنے والی ایک عام سی گوری لڑکی جو تربیت یافتہ صحافی بھی نہیں ہے جب ہمارے کچھ بہت حساس گوشوں میں ایک مہم جو کی طرح پھرتی ہے اور اس کی پذیرائی اور رسائی اقتدار کے اعلیٰ ایوانوں تک میں ہوتی ہے تو اپنی کم مائیگی پر تعجب سے زیادہ افسوس ہوتا ہے۔ غور کیا جائے تو اس ساری صورتحال کے ڈانڈے وطن عزیز میں قائم اسی طبقاتی نظام سے ملتے ہیں جو یہاں ہر قیمت پر سٹیٹس کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔

چواین لائی نے کیا زبردست بات کہی تھی۔

You cannot de-class yourslef, Living in the same class.

پاکستان کی صورتحال پر ایک بہت بلیغ تبصرہ غالباً جسٹس کیانی مرحوم نے کیا تھا جسے کرسٹینا لیمب نے بھی اس کتاب میں دوہرایا ہے:

''1947ء میں قوم ایک ملک کی تلاش میں تھی اور آج ایک ملک ایک قوم کو ڈھونڈ رہا ہے۔''

یہ قومی اتحاد، ملی شعور اور نصب العین کے بغیر سفر ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمیں کرسٹینا لیمب اور اس کی قماش کے لوگوں کی باتیں نہ صرف سننی اور سہنی پڑتی ہیں بلکہ ہم انہیں سچ مان کر مزید انتشار کا شکار بھی ہوتے رہتے ہیں۔

ہمارے اصرار، میزبانوں کی کوشش اور ہوٹل کے پاکستانی مہماندار ناصر کی وجہ سے بالآخر ناشتے کا انتظام یورپی ریستوران میں ہو گیا تھا نگ کھانے کی میز کے قریب کھڑا ہو گیا اور باری باری سب کو ممنوعات سے آگاہ کرتا رہا۔

''یہ تو آپ کھا سکتے ہیں۔''

''وہ تو آپ نہ لیں۔''

''یہ تو آلو ہے۔''

''وہ تو پوچھنا پڑے گا۔''

ایک طرف اورنج جوس کا جگ پڑا تھا میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ایک دم جیسے وقت سات برس پیچھے چلا گیا جب میں جمیل الدین عالی اور پروین شاکر امریکہ کے سفر میں اکٹھے تھے اور ان دونوں نے اورنج جوس سے میری رغبت دیکھ کر اسے تقریباً میری چھیڑ بنا دیا تھا۔ میں نے ان دونوں دوستوں کو اس طرح یاد کیا کہ ایک ایک گلاس ان کے نام کا بھی پیا۔

''کہتے ہیں کہ ایک سردار جی ہمیشہ شراب کے دو گلاس ایک ساتھ بنا کر باری باری گھونٹ گھونٹ پیا کرتے تھے۔ وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ دوسرا گلاس وہ اپنے ایک عزیز دوست کے ساتھ گزری ہوئی شاموں کی یاد میں پیتے ہیں جو اب پردیس چلا گیا ہے' ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے صرف ایک ہی گلاس رکھا ہے' پھر وجہ پوچھی گئی تو بولے: ''یہ تو میرے یار کا گلاس ہے' مجھے تو ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا ہے۔''

آج ہمیں پہلے ماؤزے تنگ کے مقبرے پر جانا تھا جہاں اس کی حنوط شدہ لاش رکھی ہے اور جسے دیکھنے کے لئے روزانہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے ہیں۔ زائرین کی لمبی لمبی قطاریں ہم کئی بار ادھر سے آتے جاتے دیکھ چکے تھے معلوم ہوا کہ غیر ملکی اور مخصوص مہمانوں کے لئے خصوصی انتظامات کئے جاتے ہیں اور صدر دروازے کے قریب سے انہیں قطار میں داخل کرا دیا جاتا ہے۔ مزار سے قدرے فاصلے پر کوسٹر پارک کر کے جب ہم اس مقام پر پہنچے جہاں سے ہمیں قطار میں داخل کیا جانا تھا تو سکیورٹی کے لوگوں کی طرف سے کہا گیا کہ ہم اپنے کیمرے ساتھ نہیں لے جا سکتے سو تھا تنگ کو سارے کیمرے دیئے گئے کہ وہ انہیں کوسٹر میں رکھ آئے۔ انتظار کے اس وقفے میں پتہ نہیں منیر نیازی پر کیا گزری کہ تھا تنگ کی واپسی پر انہوں نے بہ آواز بلند اعلان کیا کہ وہ ماؤ کا مقبرہ دیکھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور تھا تنگ سے کہا کہ ان لوگوں کو جانے دو اور تم میرے ساتھ رہو' تھا تنگ کچھ ٹپٹا سا گیا اور پریشانی میں منیر صاحب کو سمجھانے لگا کہ وہ ہمارے گروپ کا ترجمان اور گائیڈ ہے اور اس کی مدد کے بغیر ہم لوگ کسی بھی چیز کو ڈھنگ سے نہیں دیکھ سکتے مگر منیر صاحب کی سوئی جہاں اٹکی تھی وہیں اڑی رہی۔

میں نے دبے لفظوں میں انہیں بتانے کی کوشش کی کہ ماؤزے تنگ چین کے لئے وہی درجہ رکھتا ہے جو ہمارے یہاں قائداعظم کا ہے اور اگر کوئی غیر ملکی مہمان قائداعظم کے مزار پر کھڑا ہو کر یہ کہے کہ وہ اندر نہیں جانا چاہتا تو ہمیں کتنا برا لگے گا' منیر نے کہا۔

''بھئی میں یہاں اس فضا میں چین کو Feel کر رہا ہوں' سو مجھے کرنے دو' تم لوگ ہو آؤ۔

میں یہاں کی ہوا میں سانس لوں گا اور تھا تنگ سے باتیں کروں گا۔

فرمان صاحب اور دوسرے لوگوں نے بھی انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کا اس طرح باہر جانا آداب کے خلاف ہے اس طرح میزبانوں کا دل بھی برا ہو گا اور ہم بھی پریشان ہوں گے یوں بھی تھا تنگ کا گروپ کے ساتھ رہنا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کی ڈیوٹی ہے' منیر کا استدلال یہ تھا کہ میں بھی گروپ کا حصہ ہوں سو تھا تنگ کو مجھے بھی کمپنی دینی چاہیے۔

کسی نے دبے لفظوں میں کہا۔

دراصل منیر صاحب کا خیال ہے کہ وہ یہیں رکیں اور ماؤ اندر سے اٹھ کر ان کا استقبال کرنے آئے۔

بروہی لہرا کر بولے۔ ''بیوٹی فل'' بات کی ہے۔

خاصی بدمزگی اور اجمل خٹک کے سمجھانے بجھانے کے بعد منیر ہمارے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئے مگر کچھ اس ادا سے کہ طوہاً و کرہاً ان کے ماتھے پر لکھا ہوا تھا۔

جب ہم قطار میں داخل ہوئے تو اس کا دوسرا سرا نظر نہیں آ رہا تھا بے شمار لوگ سر جھکائے آہستہ قدموں کے ساتھ اپنے قومی رہنما کا دیدار کرنے کے لئے ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ اگرچہ چینی قوم اور اس کی فکر ماؤ کے خیالات اور احکامات کا وہ اثر نہیں رہا جو اس کی زندگی میں تھا اور حکومت کی پالیسیاں بھی بہت بدل گئی ہیں مگر عوام کی ماؤ سے عقیدت اب بھی بہت زیادہ ہے دور دراز علاقوں سے لوگ اس کا دیدار کرنے آتے ہیں اور ہر روز یہاں اسی طرح کی طویل قطار لگتی ہے۔ ماؤ کا جسد خاکی ایک شیشے کے کیس میں پڑا ہے اسے کیمیکلز کے ذریعے گلنے سڑنے یا خراب ہونے سے محفوظ کر لیا گیا ہے اور اسے ایئر ٹائٹ کیپسول میں اسے ایک خاص درجہ حرارت پر رکھا جاتا ہے جسے چھونے کی اجازت نہیں۔ لوگ ایک طرف سے داخل ہوتے ہیں' ٹوپی اتار کر احتراماً اس عظیم رہنما کو سلام کرتے ہیں اور پھر اسے دیکھتے ہوئے دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں ماؤ کا چہرہ اور جسم اس کی تصویروں کی نسبت کچھ چھوٹے چھوٹے لگ رہے تھے چہرے پر پڑنے والی روشنی میں یوں لگتا تھا جیسے ماؤ گہری اور پرسکون نیند میں ہے اور ابھی اٹھ کر بیٹھ جائے گا۔ اس کے بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے اور چہرہ غیر معمولی طور پر سرخ تھا جو غالباً اس مصالحے کی وجہ سے تھا جو اس پر ملا گیا تھا۔

میں نے ایک نظر ماؤ کو دیکھا طواف کرنے والوں کے چہروں پر نظر ڈالی اور پھر سوچا کہ چینی قوم کی اجتماعی امنگوں نے کس طرح اس ایک شخص کی ذات میں اپنا ظہور کیا اور آزادی کی راہ میں اس شخص کی قیادت میں کیسے لاکھوں افراد نے اپنے خون کا نذرانہ دے کر اپنی مادر وطن کو ایک پسماندہ قوم سے دنیا کی بڑی طاقتوں میں لا کھڑا کیا' آفرین اس قوم پر اور صد آفرین ان کے اس رہنما پر جس نے خون صد ہزار انجم سے پیدا ہونے والی اس صبح آزادی کو خواب سے حقیقت میں تبدیل کر دیا ہے۔ ماؤزے تنگ بیک وقت ایک عظیم سیاسی رہنما' غیر معمولی جرنیل بے مثال فلسفی اور عمدہ شاعر تھا چار مختلف جہتوں میں اعلیٰ ترین اوصاف کا مالک یہ شخص' صرف بیسویں صدی ہی کے نہیں تاریخ عالم کے عظیم ترین انسانوں کی صف کا آدمی ہے۔

جب کوئی آدمی کا بیٹا

چین کے اس بطلِ حریت سا بیٹا

اس جہان آب و گل سے روشنی کی لہر بن کر پھوٹتا ہے' ٹوٹتا ہے

خالق کون و مکاں

آسماں کے تخت سے نیچے اتر کر

اپنے آدم کی جبیں کو چومتا ہے

ماؤزے تنگ کے ذکر سے یاد آیا کہ چند برس قبل عبدالعزیز خالد صاحب نے غالباً پرواز عقاب کے نام سے ایک کتاب شائع کرائی تھی جو ماؤ کی شاعری کے منظوم تراجم پر مشتمل تھی اس کی تقریب رونمائی کے موقع پر سید ضمیر جعفری نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ خالد صاحب نے بہت سی زبانوں کی شاعری اردو میں ترجمہ کی ہے کیا ہی اچھا ہو اگر وہ کچھ وقت نکال کر اپنی نظموں کا بھی اردو ترجمہ کروا لیں۔

ہماری اگلی منزل پیپلز ہال تھا یہ ان تعمیرات میں سب سے بڑی اور مرکزی عمارت ہے جو ماؤ کے حکم پر دس ماہ کی قلیل مدت میں تیار کی گئی تھیں اور جسے بلاشبہ فن تعمیر اور عزم تعمیر کا جدید معجزہ کہا جا سکتا ہے اس عمارت اور اس کے شکوہ کا اندازہ سننے کی نہیں دیکھنے کی چیز ہے۔ اس کی ایک ایک اینٹ میں چینی قوم کی محنت' یکجہتی' استقلال اور لگن چہرہ نما ہے اس کا مرکزی ہال دس ہزار سے زائد سیٹوں پر مشتمل ہے جہاں ملک کے تیس صوبوں کے نمائندے جمع ہو کر اجتماعی فیصلے کرتے ہیں اس عمارت میں ہر صوبے کا علیحدہ علیحدہ ہال بھی ہے جسے اس صوبے کی مقامی خصوصیات کے حوالے سے آراستہ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ تائیوان سابقہ سارموسا کے لئے بھی ایک ہال تعمیر کیا گیا ہے فی الوقت تائیوان عوامی جمہوریہ چین سے علیحدہ ایک ملک ہے جو چیانگ کائی شیک کی سرکردگی میں سرخ چین سے الگ اور مغربی اثرات کے تحت قائم ہوا ہے اور ابھی تک قائم ہے لیکن چینی عوام کے نزدیک وہ ایک ایسا بچھڑا ہوا بھائی ہے جو جلد یا بدیر اپنے خاندان سے ضرور آ ملے گا سو نفسیاتی طور پر یہ ہال اسی اعتماد اور امید کا استعارہ ہے۔

آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک

وقت کی کمی کی وجہ سے ہم صرف صوبہ ہونان' شانگ ٹی' شنگھائی اور بیجنگ کے ہال دیکھ سکے معلوم ہوا کہ ان اکتیس ہالوں کے علاوہ بھی یہاں آٹھ بڑے بڑے ہال ہیں جن میں مختلف طرح کی تقریبات اور نمائشوں کا اہتمام ہوتا رہتا ہے اور یوں یہاں سال کے ہر حصے میں رونق میلہ لگا رہتا ہے غیر ملکیوں کے لئے آنے جانے کے راستے علیحدہ ہیں لیکن اس کی وجہ محض انتظامی ہے چینی لوگ

فطراً خوش مزاج ہیں چنانچہ ہر جگہ آپ کو با اخلاق اور خوشگوار مسکراہٹوں کا ایک ایسا ہجوم سا ملتا رہتا ہے کہ تھکاوٹ کا احساس تک نہیں ہوتا۔

سہ پہر کو Temple of the heaven کا پروگرام تھا دیگر قدیم تہذیبوں کی طرح چینی بھی پرانے وقتوں میں آسمان کی پرستش کیا کرتے تھے' آسمان اور اجرام فلکی گویا تقدیر کا منبع بھی تھے اور علامت بھی' اس ''آسمانی مندر'' میں بھی مخصوص چینی طرز تعمیر اور گہرے رنگ نمایاں تھے بڑے بڑے پیالوں اور دائروں جیسے میدانی ٹکڑوں میں ایک جیسی عمارتیں تھیں جن کے کمروں میں لکڑی کا کام افراط سے تھا مگر پرانی عمارتوں کی مخصوص بوسیدگی' سیلن اور ہمک کی وجہ سے ان کے اندر زیادہ دیر رکنا ممکن نہ تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ منہ لگا کر بہت سے لوگ مختلف طرح کی آوازیں نکالتے تھے جنہیں ان کے ساتھی خاصے فاصلے پر کان لگا کر سنتے اور محظوظ ہوتے تھے یعنی اس میں ایک طرح کی ایکو بازگشت کا سا تاثر پیدا ہوتا تھا' حسن کے کیمرے کی بیٹری میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تھا سو اس کی فلیش اپنی مرضی سے چلنے لگی تھی بڑی مشکلوں سے وہ کچھ پری چہروں کو اپنی اشاراتی زبان کے ذریعے تصویر کھنچوانے کے لئے راضی کرتا مگر عین موقع پر فلیش دھوکہ دے جاتی لڑکیاں تو ہنستی ہوئی چلی جاتیں مگر حسن کو بہت دیر تک ہمارے جملے سہنے پڑتے۔

چونکہ اس عمارت کا تعلق مذہب اور روحانیت سے تھا اس لئے بار بار ہماری گفتگو کا رخ کائنات' اس کی حقیقت' وجہ تخلیق اور مختلف مذاہب اور ادیان کے تقابلی مطالعے کی طرف پلٹ جاتا تھا بروہی صاحب نے اس گفتگو کے دوران چند بہت ہی نئی اور خوبصورت باتیں کیں' ہمارے یہاں ملائے مکتب کی کم علمی اور روایت پسندی کی وجہ سے مذہب کی اصلی روح کو اس طرح الجھا دیا گیا ہے کہ ہم غور کرنے والی باتوں سے بچتے اور بے معنی بحثوں میں الجھے رہتے ہیں آزاد اور تازہ فکر سے گریز کے اسی رویے نے ہمارے معاشرے کو اخلاقی اور جمالیاتی اعتبار سے مسخ کر دیا ہے اور یہی وہ صورتحال ہے جسے اقبال نے ساقی نامہ میں کچھ یوں بیان کیا تھا کہ

عجم کی روایات میں کھو گئی
یہ امت خرافات میں کھو گئی

لیکن مشکل یہ ہے کہ ایک مخصوص نوح کے طبقاتی مفاد کی وجہ سے ہم اس تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی دنیا میں دن بدن پیچھے کی طرف کھسک رہے ہیں۔ پرانے چینی بادشاہ اس مندر میں مختلف اوقات میں دیوتاؤں سے اچھی فصل' عمدہ موسم اور صحت مانگنے آیا کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس موقع سے ایک عجیب طرح کا فائدہ بھی اٹھاتے تھے طریقہ یہ تھا کہ بادشاہ سورج کی عبادت کے لئے تنہا ایک مخصوص جگہ پر بیٹھ کر عبادت کرتا تھا اور لوگوں کے لئے خوش خبریاں لاتا تھا جن میں ان لوگوں کی فہرست بھی

ہوتی تھی جو اپنے کمالات کی وجہ سے دیوتاؤں کو بہت پسند آئے تھے اور دیوتاؤں نے انہیں اپنے لئے مانگ لیا تھا یعنی ان لوگوں کو قیدِ حیات سے آزاد کر کے دیوتاؤں کے پاس ان کی خدمت اور محبت کے لئے بھیج دیا جاتا تھا اب یہ محض اتفاق ہے کہ یہ سب کے سب لوگ وہ ہوتے تھے جن کی طرف سے بادشاہ کو کسی شرارت' سازش یا بغاوت کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ہر عبادت گاہ کی طرح یہاں بھی دعا کے لئے بعض ایسے مقامات تھے جہاں قبولیت اور شنوائی زیادہ ہوتی ہے ایک بڑے سے صحن کے عین وسط میں ایک دائرہ سا بنا تھا جس کے اندر پاؤں رکھ کر دعا مانگنا یا محض کھڑے ہونا مستحسن سمجھا جاتا تھا سو ہر آنے والے کی خواہش تھی کہ اس سعادت سے ضرور بہرہ ور ہو ایک لامذہب معاشرہ ہونے کے باوجود لوگوں کا یہ رویہ گویا اس نادیدہ قوت کے اثبات کا اظہار تھا جو ہر دل کے اندر کہیں نہ کہیں کسی نہ کی شکل میں موجود ہوتی ہے۔

کوئی ساڑھے چار بجے کے لگ بھگ ہوٹل واپس پہنچے تو حسب معمول تھانگ نے اعلان کیا کہ اب آپ لوگ آرام کریں اور چھ بجے یوسف عزیز کے گھر کھانے پر جانے کے لیے نیچے تشریف لے آئیں۔ کیونکہ ڈرائیور نے ہمیں اتار کر چھٹی کرنی ہے رات کا کھانا شام چھ بجے ایک آدھ دن تو کھایا جا سکتا ہے مگر اسے معمول بنا لینا ایک بہت کٹھن مرحلہ تھا بڑی مشکلوں سے روانگی کا وقت سات بجے کرایا گیا کہ اگر کھانا پاکستانی ہے تو وقت بھی پاکستانی ہونا چاہیے۔ ایسے ہی موقعوں پر پتہ چلتا ہے کہ "جیسا دیس ویسا بھیس" کا مطلب کیا ہے۔

میں نے کہا یہی بات انگریزی میں While in Rome do as Roman,s do کی شکل میں رائج ہے اور اس سے ایک بہت مزے کا لطیفہ بھی منسلک ہے سناؤں؟

بروہی صاحب نے جھومتے ہوئے کہا یقیناً یہ لطیفہ بہت ہی بیوٹی فل ہو گا فوراً سنایئے۔

"ایک امریکن روم (اٹلی) میں چھٹیاں گزار کر آیا' دوستوں نے روداد پوچھی تو اس نے بڑے فخر سے بتایا کہ میں نے وہاں ایک امریکن ٹورسٹ خاتون سے دوستی کر لی تھی' دوستوں نے کہا' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی' امریکن لڑکیاں تو یہاں بھی بے شمار ہیں تو تمہیں کسی اٹالین خاتون سے دوستی کرنا چاہیے تھی' امریکن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں کرتا بھی کیا وہاں سب لوگ امریکن لڑکیوں کے پیچھے تھے اور وہ مثل تو تم نے سنی ہی ہو گی کہ When in Rome do as Roman,s do اس سے پہلے کہ بروہی صاحب بیوٹی فل کا نعرہ لگاتے' تھانگ نے میرا کندھا دباتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔"

حسن اور مجھے جوتے خریدنے تھے سو طے ہوا کہ اس درمیانی وقفے سے فائدہ اٹھایا جائے اور تھیان من چوک کے قریب واقع بڑے فرینڈ شپ سٹور کا چکر لگایا جائے' نواز طائر' بگتی' ڈاکٹر زمان اور بروہی صاحب بھی تیار ہو گئے سو یہ قافلہ کوئیک مارچ کرتا ہوا سٹور کی جانب روانہ ہوا' سٹور خاصا بڑا تھا مگر اس میں وہ چمک دمک نہیں تھی جو مغربی انداز کے سٹورز میں ہوتی ہے اشیاء کی تزئین و آرائش کے سلسلے میں بھی کسی خاص دلچسپی کا اظہار نمایاں نہیں تھا' ہر سٹور پر سیلز کے لڑکے لڑکیوں کی خاصی تعداد تھی مگر ان کے انداز میں نہ تو مشرقی دکانداروں والی گرمجوشی تھی اور نہ ہی گوروں والی مستعدی۔

حسن نے کہا۔ یار یہ تو اپنے یہاں کے Utility Store جیسی جگہ لگتی ہے جہاں کے کارندوں کے چہروں پر لکھا ہوتا ہے "پیو یار تنگ نہ کر"

نواز طائر صاحب نے خالص پروفیسرانہ انداز میں اس صورتحال کا تجزیہ شروع کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جس سسٹم میں Incentive کی کمی ہو گی اس میں Initiative کی کمی خودبخود پیدا ہو جاتی ہے سو اس سٹور کی حالت اور عملے کی کم توجہی کو اسی حوالے سے دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔ سب نے ان کے اس فاضلانہ تجزیے سے اتفاق کیا اور اپنی پسند کے سٹالوں کی طرف چلے گئے تھوڑی دیر بعد الیکٹرونکس کے ایک شوروم پر نواز اور بروہی صاحب سے پھر ملاقات ہوئی تو نواز اپنے مخصوص انداز میں بولے۔

"یارا یہ سمجھ نہیں آتا کہ یہاں کے لوگوں کو اپنی چیزیں بیچنے میں اتنی دلچسپی کیوں نہیں ہے؟

لاہور میں شاہراہ قائداعظم پر واقع چینی جوتوں کی دکان Hopson ایک زمانے تک بہترین جوتوں کی ضمانت سمجھی جاتی تھی اس حوالے سے خیال تھا کہ چین میں بھی بہت اعلیٰ معیار کے جوتے مل جائیں گے لیکن ہمیں وہاں کوئی ایسا جوتا نہ دکھائی دیا جسے دیکھتے ہی نگاہ انتخاب یا اس کی پسلی پھڑک اٹھے سو ہم نے مجبوراً کام چلاؤ قسم کے جوتے خرید لئے بعد کے دنوں میں مختلف جگہوں پر جوتوں کی ایک سے ایک اچھی دکان ملی اور ہر ایسے موقعے پر یاد آیا کہ "جلدی کا کام شیطان کا کیوں کہا جاتا ہے۔

ہمیں جوتوں کی پرکھ پڑچول میں مصروف پا کر فرمان صاحب نے اکبرالہ آبادی کا ایک بہت مشہور شعر پڑھا جس نے اس عالم میں قندمکرر کا سا لطف دیا۔

بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے ایک مضموں لکھا
شہر میں مضموں نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

ہوٹل پہنچے تو ساڑھے سات بج چکے تھے تھانگ نے بتایا کہ یوسف عزیز کے فون پر فون آ رہے ہیں اور ڈرائیور کو اس نے بڑی

مشکلوں سے روک رکھا ہے کیونکہ اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے اس لئے ہمیں فوراً چل دینا چاہیے۔ سو ہم چل دیئے۔

یوسف کے گھر حسن سرمد سے ملاقات ہوئی جو اکرم ذکی صاحب کے جانے کے بعد سے بطور قائم مقام سفیر کام کر رہے تھے خوش اخلاق' متبسم' بے تکلف' اگر دوہرے نہیں تو ڈیوڑھے بدن کے اور سر کے بالوں کے اعتبار سے کچھ کچھ میرے ہم زلف۔ پتہ چلا کہ موصوف بھی لاہور کے ہیں اور اصلی لاہوریا چاہے کتنی بھی سنجیدہ اور ذمہ دار پوسٹ پر کیوں نہ ہو اس کے مزاج سے لاہور کی مخصوص خوشدلی ختم نہیں ہوتی چنانچہ اس شام گفتگو انتہائی سنجیدہ قومی و بین الاقوامی مسائل کے ساتھ ساتھ ایسے موضوعات پر بھی ہوئی جو عام طور پر صرف گہرے اور پرانے دوستوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔

اجمل خٹک قومی اسمبلی کے ممبر بھی ہیں اور انقلابی ادیب اور دانشور بھی' سارے سفر میں ہر جگہ ان کی گفتگو کا محور بدلتی ہوئی دنیا اور اس کے تقاضوں کے مطابق قومی پالیسیاں وضع کرنا اور معاشرے کی تشکیل نو کرنا رہا۔ یہاں بھی انہوں نے یہی موضوع چھیڑ دیا چنانچہ بات چین' روس اور تیسری دنیا سے ہوتی ہوئی وہیں پہنچی جہاں آج کل ہر بات پہنچتی ہے عمومی نتیجہ یہی نکلا کہ امریکہ کی ترقی اور سیاسی قوت کی بنیاد اس کے سسٹم میں ہے کیونکہ وہاں کے قانون ساز ادارے اور عوامی نمائندے اپنے ملکی و قومی مفاد کے سامنے دنیا کی ہر چیز کو ہیچ سمجھتے ہیں اور ان کی مدد کے لئے ہر متعلقہ شعبہ کے بہترین ایکسپرٹ قدم قدم پر موجود ہوتے ہیں جبکہ ہمارے جیسے ملکوں میں پالیسی میکرز یا تو لکیر کے فقیر بنے رہتے ہیں یا پھر اپنے مخصوص ذاتی اور گروہی مقاصد کی تکمیل کے لئے ملک و قوم کو داؤ پر لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے اور جہاں تک ہمارے عوامی نمائندوں کا تعلق ہے ان میں سے مستثنات کو چھوڑ کر' جدید علوم و فنون سے بے بہرہ اور بدلتی ہوئی دنیا کے تقاضوں اور محرکات سے یکسر ناآشنا لوگ جمع ہیں' ہمارے قومی مستقبل کے ضامن ان مہربانوں کی حالت یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں ان کا سارا علم زیادہ سے زیادہ اخباروں سے حاصل کردہ ہوتا ہے اور وہ بھی ان اردو اخباروں سے' جن کے لئے قتل' ڈاکے اور اغوا کی خبریں دنیا کے عصری تناظر سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔

ہماری سیاست جس پر قیام پاکستان کے وقت جاگیرداری نظام اور اس کے نمائندوں کا غلبہ تھا ان 45 برسوں میں کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی دائرے میں چکر لگا رہی ہے۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ اب مختلف طرح کے پیر' انتہا پسند اور فسادی مذہبی اور لسانی جماعتیں اور ہیروئن کے تاجر بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں' پڑھے لکھے اور سوچنے سمجھنے والے لوگ آج بھی اس میں آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ سیاست ایک قومی خدمت کے ادارے کے بجائے ایک پیشہ بن کر رہی ہے جبکہ امریکی سینٹ میں جو لوگ منتخب ہو کر آتے ہیں وہ اپنی ذاتی لیاقت اور صلاحیت سے قطع نظر زندگی کے مختلف شعبوں کے ماہرین کے ساتھ ایک مسلسل رابطہ رکھتے ہیں سینٹ

میں جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو بحث میں حصہ لینے والے مستند اور اپ ٹو ڈیٹ معلومات سے لیس ہو کر آتے ہیں اور نتیجتاً بہترین اور مؤثر فیصلے کرتے ہیں جن کی وجہ سے قومی ترقی کو مہمیز ملتی رہتی ہے۔

یہ گفتگو مزید طویل اور گھمبیر ہو سکتی تھی اگر اس میں بار بار منیر نیازی اس کیمرے کا تذکرہ نہ کرتے جو انہوں نے نواز طائر کے پاس دیکھا تھا اور جسے خریدنے کے بارے میں وہ اپنے عزم کا کچھ اس طرح اظہار کر رہے تھے جیسے اس بارے عالمی مسائل کا حل اسی ایک خریداری میں پوشیدہ ہو۔

یوسف عزیز کی بیگم ایک مکمل پاکستانی بھابی ہیں چنانچہ انہوں نے اپنے محبت اور سلیقے سے پکائے ہوئے پرلطف کھانے کو کچھ ایسے اصرار سے کھلوایا کہ واپسی پر موٹروں میں سمانا مشکل ہو گیا۔ راستے میں جگہ جگہ پھر تربوزوں کے ڈھیر نظر آئے کسی نے کہا۔

تربوز دنیا کا واحد پھل ہے جسے آپ کھا بھی سکتے ہیں پی بھی سکتے ہیں اس سے منہ ہاتھ بھی دھو سکتے ہیں اور بوقت ضرورت اسے بطور پلیٹ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

بروہی صاحب نے مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور سرگوشی کے انداز میں بولے۔

''بیوٹی فل''

رات کو جو جرابیں میں نے دھو کر سوکھنے کے لئے ڈالی تھیں وہ ابھی تک گیلی تھیں کچھ طبیعت بھی گری گری سی تھی اس لئے میں نے ناشتے پر اعلان کر دیا کہ مجھے بازار جانے والے اس گروپ سے خارج کر دیا جائے جس کا اصل مشن منیر نیازی کے پسند کردہ کیمرے کی خریداری تھی بڑی مشکلوں سے میرا عذر مسموع ہوا۔ کمرے میں پہنچ کر یونہی ٹی وی کے چینل گھمائے تو ایک جگہ شبنم اپنے مخصوص انداز میں جھٹکے دے دے کر ندیم سے کچھ کہہ رہی تھی مگر چند لمحوں کے بعد بھی جب بات سمجھ میں نہ آئی تو پتہ چلا کہ موصوفہ چینی زبان میں بات کر رہی ہیں یہ تجربہ اتنا پرلطف تھا کہ ساری بوریت اور کسل مندی رفع ہو گئی۔ فلم کا نام تو آخر تک معلوم نہ ہو سکا مگر اس میں ندیم اور شبنم کے علاوہ راحت کاظمی 'البیلا' بدیع الزماں اور جمشید انصاری وغیرہ کے مانوس چہرے دیکھ کر دل کو ایک عجیب طرح کی خوشی ہوئی مکالمے تو چینی زبان میں ڈب کئے گئے تھے مگر گانے اردو میں ہی چل رہے تھے۔ ایک گانے کے بول کچھ اس طرح کے تھے۔

ٹوٹے دلوں کا سہارا میرے اللہ تیرا نام

کیپٹل ہوٹل بیجنگ کے کمرہ نمبر 914 میں زمان و مکان کے سلسلے کچھ گڈمڈ سے ہونے لگے اور مجھے یوں لگا جیسے یہ دعائیہ آواز یا تو میرے دل کے کسی کونے سے اٹھ رہی ہے یا پھر میری روح کے اندر کہیں سماتی چلی جا رہی ہے۔ اپنی ایک مختصر نظم یاد آ گئی۔

تری آہٹ

سلگتی دوپہر کو اک پل میں شام کرتی ہے

اترتی ہے سوادِ ہجر میں' کچھ اس طرح جیسے

صدائے آشنا کوئی

گھنے گہرے' اندھیرے جنگلوں کی بے یقینی میں

رخِ منزل دکھاتی' روشنی کا کام کرتی ہے

میں نے اس فضول سی فلم کو کچھ ایسے ذوق وشوق سے دیکھا جیسے یہ کوئی کلاسیک ہو'اشیاء کی یہ اضافیت ایسی ہے جسے دنیا کے کسی بھی کیلکولیٹر سے نہیں ناپا جاسکتا۔

آج چونکہ ہانگ چو کے لیے روانہ ہونا تھا اس لئے کھانے کا وقت مزید نصف گھنٹہ پہلے کر دیا گیا تھا یعنی آج کا لنچ ساڑھے گیارہ بجے تھا۔ڈائننگ ہال میں سب احباب پہنچ چکے تھے اور موضوع گفتگو وہی بازار کی سیر تھی جس سے یہ قافلہ لوٹا تھا۔منیر نیازی پیدل چلنے کے بارے میں خاصے محتاط ہیں خصوصاً زیادہ دیر چلنے کے تصور سے ہی انہیں وحشت ہوتی ہے اس پر مستزاد یہ کہ ان کا جوتا کچھ تنگ تھا اور پاؤں کو کاٹ بھی رہا تھا جس کے نمایاں نشانات ان کے پاؤں پر نظر بھی آتے تھے سو اس بارے پس منظر کے حوالے سے وہ اپنی شاپنگ کو محدود سے محدود تر کرنا چاہ رہے تھے۔راویان غیر ثقہ وثقہ کا مشترکہ بیان ہے کہ ان کے اور تھانگ کے درمیان کچھ اس قسم کی گفتگو ہوئی۔

منیر:ہمیں جانا کہاں ہے؟

تھانگ:یہ تو آپ بتائیں گے کیونکہ کیمرہ آپ نے خریدنا ہے۔

منیر نیازی:اس دکان کا پتہ تو طائر صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔

طائر:میں چل تو رہا ہوں آپ کے ساتھ۔

منیر:بالکل ٹھیک ہے۔کسی مارکیٹ میں جانا ہے۔

طائر:جی ہاں۔

منیر:ہماری بس چلی جائے گی وہاں تک

تھانگ: طائر صاحب سے متعلقہ جگہ سمجھنے کے بعد وہ تو چلی جائے گی۔

منیر: دکان تک تو جائے گی نا۔

تھانگ: جی ہاں۔مگر شاید دکان کے اندر نہ جاسکے۔مجبوری ہے۔وہاں تو آپ کو پیدل ہی جانا پڑے گا۔

منیر: (بیزاری سے) کتنا چلنا پڑے گا۔

تھانگ: وہ تو جا کر ہی پتہ چلے گا۔مگر امید ہے زیادہ نہیں ہوگا۔

منیر: تمہارا کیا ہے' تمہیں تو لانگ مارچ بھی زیادہ نہیں لگتا۔

سب سے پہلے کیمرہ خریدا گیا اور اس کے ساتھ ہی منیر صاحب نے اعلان کیا کہ بس میرا کام ختم ہو گیا ہے اب آپ لوگ گھومیں پھریں میں تھانگ کے ساتھ واپس جا رہا ہوں بڑی مشکلوں سے تھانگ نے انہیں سمجھایا کہ مترجم کے بغیر باقی لوگوں کو بہت دقت ہوگی چنانچہ انہیں ہمہ یاراں جنت' ہمہ یاراں دوزخ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اب احباب کا ساتھ دینا چاہیے' اس صورتحال پر مجھے بچوں کے رسالے میں پڑھا ہوا ایک پرانا لطیفہ یاد آ گیا جو کچھ یوں تھا۔

دو بچے آپس میں ریڈیو ریڈیو کھیل رہے تھے اور بحث اس بات پر ہو رہی تھی کہ اناؤنسر کون بنے گا اور پروگرام کون سنائے گا۔ بالآخر ٹاس پر فیصلہ ہوا۔ہارے ہوئے بچے کو اناؤنسر بننا تھا چنانچہ اس نے مندرجہ ذیل اناؤنسمنٹ کی۔

سامعین' رات کے بارہ بجے ہیں اب ہماری نشریات اپنے اختتام کو پہنچتی ہیں۔خدا حافظ۔

منیر نیازی نے خلاف توقع نہ صرف اس لطیفے کو برداشت کیا بلکہ اپنے مخصوص انداز میں سر ہلاتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ بالکل ٹھیک ہے۔اور اس موقع پر بروہی صاحب نے وہی کہا جو انہیں کہنا چاہیے تھا۔

◆◆◆

ہانگ چو

ہانگ چو جانے کے لئے جب ہم ائیر پورٹ پہنچے تو معلوم ہوا کہ فلائٹ پورے دو گھنٹے لیٹ ہے۔ اور اگرچہ اس تاخیر کا باضابطہ اعلان گزشتہ روز ہی کیا جا چکا تھا لیکن چھن اپنی طبیعت کی خرابی کے باعث اسے چیک نہ کر سکا تھا سو اس نے تھانگ کی وساطت سے صدر وفد اجمل خٹک سے معذرت کی۔ خٹک صاحب بڑے ملنگ فطرت آدمی ہیں انہوں نے جواباً ایک فارسی شعر پڑھا جس کا مطلب کچھ یوں تھا کہ دوستوں میں معذرت کی ضرورت نہیں ہوتی' تھانگ کے چہرے پر عدم فہمی کا ایک سایہ سا لہرا گیا اس نے پریشان سی نظروں کے ساتھ چاروں طرف دیکھا اور پھر پتہ نہیں چینی میں چھن سے کیا کہا کہ اس کا بخار سے سرخ چہرہ اور بھی تمتما اٹھا۔

غالب کا ایک بہت مشہور شعر ہے جس میں غضب کی ڈرامائی کیفیت ہے۔

میں نے کہا بزم ناز "چاہیے غیر سے تہی"
سن کر ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ "یوں"

مشہور مزاح گو شاعر اور ہمارے دوست انور مسعود نے اس شعر کی بڑی خوبصورت سے پیروڈی کی ہے اور اس کے مکالمے کے انداز کو عجیب چابکدستی سے استعمال کیا ہے۔

میں نے کہا کہ "بزم ناز" اس نے کہا کہ "کیا کہا؟"
میں نے کہا کہ "کچھ نہیں" اس نے کہا کہ "ٹھیک ہے"

اب اگر "بزم ناز" کی ادائیگی میں "لجاجت" "کیا کہا" میں "غصہ" "کچھ نہیں" میں "خوف" اور "ٹھیک ہے" میں "بے نیازی" ڈال کر پڑھیں تو کچھ اور ہی لطف آئے گا۔

بروہی کے "بیوٹی فل" اور نیازی کے "بالکل ٹھیک ہے" کے درمیان سب لوگ کچھ ایسے زور سے ہنسے کہ ائیر پورٹ ہال کے دور دراز کونوں سے لوگ ہمیں دیکھنے کے لئے آنے لگے۔

ہانگ چو کی فلائٹ نمبر 5146 کی روانگی میں ابھی کل ملا کر تقریباً تین گھنٹے رہتے تھے لیکن مجلس کا رنگ کچھ ایسا تھا کہ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ ہنسی مذاق کی بات چلتی تو ایسے لگتا جیسے کھلنڈرے لڑکوں کا کوئی قافلہ پکنک پر آیا ہوا ہے اور کوئی سنجیدہ مسئلہ

رستے میں آ جاتا ایک دم منظر سلامتی کونسل کے اجلاس میں بدل جاتا۔ ڈیپارچر لاؤنج ایک طرف چائے کا سٹال لگا تھا جہاں سے پاکستانی کرنسی کے مطابق 15 پیسے میں گرما گرم چائے کا کپ دستیاب تھا۔ چینی لوگ چائے میں چینی استعمال نہیں کرتے سو یہاں بھی چائے بالکل ''خالص'' تھی۔ بروہی صاحب نے کینڈرل کی ڈبیا کچھ اس انداز سے میز کے وسط میں سجا کر رکھ دی جیسے کہہ رہے ہوں کہ۔۔۔۔۔ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے۔ کینڈرل دیکھ کر مجھے اپنا عزیز دوست شمیم اختر سیفی بہت یاد آیا کیونکہ وہ بھی ہر وقت اس کی ڈبیا جیب میں رکھتا ہے اور یہ بات ہے کہ کھانے کے ساتھ جب تک سویٹ ڈش میں بے نظیر قلفہ' گوالمنڈی کی کھیر یا موچی دروازے کی برفی اور چیچے کا حلوہ نہ ہو اس کا کھانا مکمل نہیں ہوتا۔

ہوائی جہاز بہت خوبصورت اور جدید ڈیزائن کا تھا۔ اس کے پر جہاز کی باڈی کے اگلے کے بجائے پچھلے حصے میں لگائے گئے تھے اور مال بردار جہازوں سی 130 وغیرہ کی طرح اس کا ایک دروازہ بالکل عقب میں بھی واقع تھا جہاں اس مسافر داخل ہو رہے تھے جہاز کے اندر ایک طرح کی پکنک کا سماں تھا جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ محدود آمدنی کے باعث عام چینی لوگ جہاز کا سفر افورڈ نہیں کر سکتے اور اگر وہ رقم جوڑ کر ایسی عیاشی کر ہی لیں تو یہ ان کے لئے ایک ایسا غیر معمولی واقعہ ہوتا ہے جس سے وہ مکمل طور پر لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں بقیہ لوگوں میں سے ٹورسٹ وغیرہ نکال کر جو لوگ بچتے تھے ان کا تعلق اس خوشحال طبقے سے تھا جو تعداد میں بہت کم ہے لیکن محدود سطح پر کاروبار اور نجی جائیداد رکھ سکنے کی اجازت کے بعد سے آہستہ آہستہ منظر عام پر آ رہا ہے لوگ ناچ گا رہے تھے ایک دوسرے سے ہنس کھیل رہے تھے اور دھڑا دھڑ تصویریں اتار رہے تھے جہاز کا سٹاف بھی غیر معمولی طور پر خوش شکل اور خوش مزاج تھا۔ اتفاق سے منیر نیازی کو جو سیٹ ملی اس کے دائیں بائیں دونوں طرف خواتین تھیں جو اگرچہ تقریباً نوجوان تھیں مگر انہیں دیکھ کر یہ بات مشکوک ہو جاتی تھی کہ جوانی عمر کا وہ حصہ ہے جس میں بدصورتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن منیر صاحب اپنی صحبت سے خاصے خوش اور مطمئن نظر آتے تھے کچھ دیر بعد ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ والی کو جو نسبتاً بہتر تھی انگریزی اور اشاروں کی مخلوط زبان میں کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور جس پر وہ زور زور سے سر ہلا رہی ہے مگر صاف پتہ چل رہا ہے کہ اس کی سمجھ میں سرے سے کچھ نہیں آ رہا۔ تھوڑی دیر بعد پہلی سیٹ سے عزیز بگتی نے ایک کاغذ مجھے دیا جس پر کچھ شعر درج تھے معلوم ہوا کہ یہ پچھلی صف والوں کی مشترکہ کاوش ہے موضوع منیر صاحب کو درپیش صورتحال تھی قافیے چہار زبانی تھے یعنی انگریزی' اردو' پشتو اور پنجابی چاروں زبانوں کو حسب ضرورت استعمال کیا گیا تھا اور اس کی تشکیل میں زیادہ حصہ عزیز بگتی اور اجمل خٹک نے لیا تھا یعنی وفد کے ہیڈ اور ٹیل دونوں اس میں شامل تھے۔ نظم دست بدست چلتی ہوئی ہر ممبر تک پہنچی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاز اترنے تک منیر صاحب سب کی توجہ کا مرکز

رہے جبکہ خوداُن کی توجہ کہیں اور تھی۔

زندگی میں پہلی بار یہ منظر دیکھا کہ نیازی صاحب کسی دوسرے کا سامان اٹھانے کے سلسلے میں اس کی مدد کر رہے ہیں متعلقہ لڑکی کے پاس کم وبیش اس کے اپنے وزن کا بیگ تھا جسے نیازی صاحب نے بڑی توجہ اور کوشش سے اس پر لادا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ اسے سنبھال پاتی اور اپنا ہاتھ پیچھے ہٹالیا اور وہ سامان سمیت لڑکھڑاتی اور پھر کسی کی طرف دیکھے بغیر باہر کی طرف چل پڑی بعد میں خاصی دیر تک منیر نیازی اس کی سخن فہمی کی تعریف کرتے رہے اور بتایا کہ وہ ہانگ کانگ سے آئی تھی۔

استقبالیہ کمیٹی تین افراد پر مشتمل تھی منگول نقوش والا نوجوان ادیب جو دو برس پہلے چینی ادیبوں کے وفد کے ساتھ پاکستان آیا تھا اور دو خواتین جو ادیبوں کی مقامی انجمن کی عہدیدار تھیں۔ نوجوان کا نام منیر نیازی نے چنگیز خان جونیئر تجویز کیا جسے فوراً ہی قبولیت عام کی سند مل گئی۔ مصافحوں اور معانقوں کے بعد وہ لوگ ہمیں ایئر پورٹ کی عمارت سے باہر ایک کھلی جگہ پر لے آئے جہاں حسب معمول ایک کوسٹر ہمارے انتظار میں کھڑا تھا معلوم ہوا کہ سامان سامنے والی عمارت سے ملے گا۔ مختلف ہوائی اڈوں پر سامان کے حصول کے لئے خاصے طویل فاصلے طے کرنے کا اتفاق تو ہوا تھا مگر یہ پہلا موقع تھا کہ سامان اور مسافر دو الگ الگ عمارتوں میں اتارے گئے درد کا کیا اچھا شعر ہے

ے خانہ عالم ہے وہ بے ربط کہ جس میں
ہووے جو صراحی کہیں تو جام کہیں ہو

سامان آنے پر چنگیز خاں جونیئر کی مستعدی تو سمجھ میں آتی تھی کہ ایک تندرست جوان ہونے کے ساتھ ساتھ میزبان بھی تھا لیکن حیرت اور پریشانی اس وقت ہوئی جب دونوں خواتین بھی سامان اٹھانے میں جت گئیں اور ہمارے بے حد اصرار کے باوجود ان لوگوں نے ہمیں سامان کو ہاتھ نہیں لگانے دیا اور ایسی پھرتی سے بھاری بھاری بکسے کوسٹر میں اٹھا اٹھا کے رکھے کہ ہم دیکھتے ہی رہ گئے چینی عورتیں حسین ضرور ہیں لیکن انہیں صنف نازک کہنا ان کی توہین ہوگی۔

ہانگ چو ائیر پورٹ کی ایک اور غیر معمولی بات یہ دیکھنے میں آئی کہ ہوائی اڈے کی عمارت سے نکلتے ہی شہر کی آبادی شروع ہوجاتی ہے جگہ جگہ ٹولیوں کی صورت میں باتیں کرتے ہوئے لوگ' کچھ کچھ کھلی دکانیں اور ڈھیر سارے تربوز جو جگہ جگہ ریڑھیوں پر یا زمین پر ڈھیریوں کی شکل میں پڑے تھے تھانگ نے بتایا کہ چین میں آپ جہاں کہیں بھی جائیں گے تربوز کو سائے کی طرح ساتھ ساتھ پائیں گے اس پر ایک پرانا لطیفہ یاد آ گیا۔

''ایک آدمی کو نہاتے ہوئے نہر میں ایک تربوز مل گیا تربوز کو کاٹا تو اندر سے ایک جن نکل آیا اور گویا ہوا کہ آپ نے مجھے اس قید سے رہائی دلوائی ہے آج سے آپ میرے آقا اور میں آپ کا غلام۔ حکم دیجئے غلام کیا پیش کرے۔ آقا نے خوش ہو کر کہا کہ اگر ایسا ہے تو مجھے اسلام آباد میں ایک پلاٹ لے دو۔

جن نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ یہ ممکن نہیں کوئی اور حکم کریں۔

آقا نے کہا اور کیا حکم کروں تم کیسے جن ہو جو ایک پلاٹ نہیں لے کر دے سکتے۔ جن نے کہا۔ آپ خود ہی سوچیں میرے آقا اگر میں آپ کو پلاٹ مہیا کر سکتا تو خود اس تربوز میں کیوں رہتا۔

بروہی صاحب جو میرے برابر والی سیٹ پر تقریباً غنودگی کے عالم میں تھے بڑبڑائے۔ بڑی بیوٹی فل بات ہے۔

ہوٹل Wang Hu خاصا بڑا ہوٹل تھا لیکن پورے شہر کی طرح اس کے ماحول میں بھی ایک قصباتی حسن تھا ایک اپنائیت کا سا احساس تھا جسے لفظوں میں بیان کرنا آسان نہیں' ہوٹل سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بہت بڑی جھیل تھی چاروں طرف درختوں اور سبزے کی افراط تھی اور شام رات سے گلے مل رہی تھی۔

حسن اکیلے کمرے میں سونے سے بہت گھبراتا ہے چنانچہ اس کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ یا تو وہ کسی ہم سفر کو اپنے کمرے میں سونے پر آمادہ کرے یا خود اس کے کمرے میں سو جائے سو یہاں بھی یہی ہوا' رات دیر تک ہم باتیں کرتے اور ٹی وی دیکھتے رہے کوئی گیارہ بجے کے قریب وہ اپنے کمرے میں گیا مگر پندرہ بیس منٹ بعد پھر آ گیا کہ اسے اکیلے کمرے سے وحشت ہو رہی ہے اس لئے وہ رات یہیں سوئے گا' ایک بار پھر مجھے خیال آیا کہ قدرت نے مختلف انسانوں کی طبائع میں کیسے کیسے انوکھے گوشے رکھ چھوڑے ہیں کہ کوئی تنہائی سے گھبراتا ہے اور کوئی ہجوم سے' کسی کو بلندی سے وحشت ہوتی ہے اور کسی کو پستی سے' کوئی بند جگہ سے گھبراتا ہے اور کسی کو پھولوں کے موسم سے الرجی ہو جاتی ہے۔

ہے ہر اک شخص یہاں ایک ورق ناخواندہ

میرا اپنا مسئلہ یہ ہے کہ شدید ترین تھکن اور جگراتے کے باوجود مجھے کچھ پڑھے بغیر نیند نہیں آتی چاہے یہ ''پڑھائی'' چند سطروں پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو' سو میں نے سرہانے پڑی کرسٹینا لیمب کی کتاب اٹھالی اور یونہی ایک صفحہ کھول لیا جس پہلے جملے پر میری نظر پڑی وہ کچھ یوں تھا۔

''اگر جناح کو معلوم ہوتا کہ پاکستان کیسا ہو گا تو شاید وہ اس کے لئے جدوجہد ہی نہ کرتے۔

انتشار زدہ قوموں کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں اپنے آپ کو ایذا دینے میں لطف آنے لگتا ہے گزشتہ چند برسوں میں ہمارے یہاں جو سیاسی کتابیں مقبول ہوئی ہیں ان کے موضوعات پر ایک نظر ڈالیے تو پتہ چلے گا کہ ایک دو کو چھوڑ کر سب کی سب تصویر کا تاریک رخ دکھاتی ہیں جو سیاسی طالع آزما مشہور ہونا چاہتا ہے وہ یا تو پاکستان کی بنیاد پر حملہ کرتا ہے یا مستقبل میں اس کے (خدانخواستہ) خاتمے کی اطلاع دیتا نظر آتا ہے۔ ہمارے سیاست دان ہوں یا سیاسی تبصرہ نگار یہ انہی نوالوں کو نگلتے رہتے ہیں جو مغربی ذرائع ابلاغ نے گھی اور شکر میں تل کر انہیں کھلائے ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے واقعات کی تصدیق کے لئے بھی بی بی سی' وی او اے' نیوز ویک اور ٹائم کی طرف دیکھتے رہتے ہیں' عدم اعتماد کی یہ فضا پاکستان سمیت تیسری دنیا کے سارے ممالک میں پھیلائی جارہی ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے اندرونی سسٹم کی مدافعت بڑھنے کی بجائے روز بروز کم ہوتی جارہی ہے جس کی ایک مثال یہی کتاب "خدا کا انتظار" ہے جس کا بیشتر مواد من گھڑت' ضعیف' متعصب اور افتراء پر مشتمل ہے لیکن ہمارے دانشور اس کا اس طرح سے ذکر کرتے ہیں جیسے یہ کوئی بہت اہم اور مستند دستاویز ہو۔ مصنفہ کے لہجے میں طنز اور استہزا کی ایک ایسی کیفیت ہے جس کا اسے قطعاً کوئی حق نہیں پہنچتا بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو سے اس کے بہت تعلقات ہیں اور وہ ان کی بہت طرفدار ہیں لیکن غور سے پڑھیے تو بین السطور میں ان سے بھی وہی سلوک روا رکھا گیا ہے جس کا نشانہ مرحوم ضیاء الحق بنے ہیں۔

میں کشادہ قلبی اور وسیع النظری کا بہت قائل ہوں لیکن یہ دونوں باتیں غیر مشروط نہیں ہیں تنقید اور اختلاف رائے کو سننا اور برداشت کرنا اور بات ہے لیکن جھوٹ اور منفی پراپیگنڈے کی پذیرائی ایک بالکل دوسری بات ہے اگر ہمیں بطور ایک زندہ قوم کے آگے بڑھنا ہے تو ان سب باتوں کو دھیان میں رکھ کر آگے چلنا ہوگا۔

حسن گہری نیند سو رہا تھا لیکن میری نیند اس کتاب نے خراب کر دی تھی میں نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی اور ٹی وی آن کر دیا ٹوکیو گیمز کی سو میٹر کی دوڑ کی فلم دکھائی جارہی تھی۔ کارل لیوس پھر پہلے نمبر پر تھا اور پہلی تینوں پوزیشنیں بھی امریکیوں نے جیتی تھیں۔ میرا دھیان پھر وطن عزیز کی طرف پلٹ گیا قدرت نے ہماری زمین اور لوگوں کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے لیکن ہم ہیں کہ ایک جرم ضعیفی کی سزا میں مسلسل مرگ مفاجات کا شکار ہوتے چلے جارہے ہیں کیوں ہم لوگ مل کر اس "نم" کو تلاش اور تخلیق نہیں کرتے اور اس مٹی کی زرخیزی کو ہمارے چاروں طرف پھیلا دے گا۔ آخر کیوں؟

فون کی گھنٹی بجی میں نے گھڑی دیکھی سوا بارہ ہو رہے تھے' پریشان سا ہو کر فون اٹھایا دوسری طرف سے منیر نیازی کی آواز آئی۔

"میرے کمرے میں پانی نہیں آ رہا اور میرے بستر میں چیونٹیاں ہیں۔"

میں نے کہا' میرے کمرے میں الٹ چکر ہے پانی بے حساب آ رہا ہے لیکن باتھ روم کے ٹب کا سٹاپر کام نہیں کرتا اور چیونٹیوں کی جگہ حسن رضوی لیٹا ہوا ہے۔"

دوسری طرف سے منیر صاحب کا ایک ایسا بے ساختہ اور خوشدلی سے بھرا ہوا قہقہہ سنائی دیا جو اس سفر کے دوران اپنی نوعیت کا پہلا قہقہہ تھا اور سب سے اچھی بات یہ ہوئی کہ اس کے بعد سے دورے کے اختتام تک ان کا موڈ بتدریج بہتر ہوتا چلا گیا جس کے خوشگوار اثر کے باعث وہ ہلکا سا کھنچاؤ ختم ہو گیا جو اب تک ماحول پر طاری تھا اور ہمارا وفد صحیح معنوں میں بے تکلف اور مخلص دوستوں کا ایک خوبصورت مجموعہ بن گیا۔

غالب کا ایک قصیدہ کچھ اس طرح شروع ہوتا ہے

صبح دم دروازۂ خاور کھلا
مہر عالمتاب کا منظر کھلا

لیکن اس دن ہانگ چو شہر میں اس کے بعد بھی بہت سے منظر کھلے' جیسے ہر حسین عورت کے چہرے کا ایک ایسا حصہ ہوتا ہے جسے مرکز حسن کہا جا سکتا ہے اسی طرح ہانگ چو کے حسن کا مرکز بھی وہ جھیل ہے جس کے کنارے ہمارا ہوٹل واقع تھا۔ بدھ کے مندر کی طرف جاتے ہوئے ہمارا اس کے حسن سے پہلا تعارف ہوا۔ ہمارا کوسٹر خاصی دور تک جھیل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور دور تک پھیلے ہوئے پانیوں کے اس قدرتی حسن کو مجروح کئے بغیر ہانگ چو والوں نے اسے ایک خوبصورت تفریح گاہ میں ڈھال دیا ہے۔ جھیل کے اندر مختلف جگہوں سے کاٹ کر سڑکیں بنا دی گئی ہیں جن کے نیچے کہیں کہیں ایک کشتی کی گزرگاہ جتنے خوبصورت رستے ہیں اور جھیل کے کنارے پر دور دور تک کنول کے بڑے بڑے پھولوں کے تختے سے پانی پر ڈولتے رہتے ہیں۔ بعض مقامات پر تو ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ پھولوں اور پتوں کے نیچے کا پانی تک نظر نہیں آتا۔ یہ ایک ایسا روح پرور منظر تھا جو ذہن پر نقش ہو کر رہ جاتا ہے اور جس کے حسن کا تاثر قید و زمان و مکاں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

کوسٹر کی کھڑکی کے شیشے سے چہرہ لگائے دیر تک اس منظر کو دیکھتا رہا' ذہن میں ایک مانوس سی خوشبو پھیلی اور مجھے پتہ چل گیا کہ یہ تجربہ کسی نظم میں ڈھلنے والا ہے لفظ اور خیال ایک دوسرے پر L - O ہونے لگے اور نظم کی لائنیں غیب سے شہود میں آنے لگیں جن کی آخری شکل کچھ یوں بنی۔

ہے پہاڑوں کے درمیاں یہ نگر
جیسے محبوب کا حسیں چہرہ

اپنے عاشق کے گرم ہاتھوں کے
پر طلبؔ مضطرب حصار میں ہو
ایک بوسے کے انتظار میں ہو

یوں فضا ہو رہی ہے سر تا سر
رنگ جیسے ہوا میں مل جائے
آنکھ میں ڈولتے ہیں یوں منظر
ڈھیر ریشم کا جس طرح کوئی
انگلیوں سے پھسل پھسل جائے

جھیل میں تیرتے ہوئے یہ کنول
بے حد و بے شمار ایسے ہیں
آسماں پر ہوں جس طرح انجم
جیسے حلقہ کئے ہوئے موسم

اک گل نوبہار کی خاطر
خواہش وصل میں نہائے ہوئے
جیسے آغاز عاشقی کے خواب

کہکشاں راہ میں بچھائے ہوئے

شاعر چین کا کہا سچ ہے
جھیل یہ ہانگ چو کے دامن کی

جیسے کوئی حسین عورت ہے
ایک جنت ہے آسمانوں پر
ہانگ چو اس زمیں پہ جنت ہے

ہانگ چو کی اس خوبصورت صبح میں ہماری پہلی منزل "بدھ کا مندر" تھا لاہور کے عجائب گھر اور ٹیکسلا میوزیم میں گوتم بدھ کے جو مجسمے اور مختلف اخبارات ورسائل میں ان کی جو تصویریں دیکھی تھیں ان کے حوالے سے یہ مندر خاصا مختلف اور حیران کن تھا کیونکہ یہاں Starving Buddah اور Laughing Buddah کے علاوہ بھی بدھ کے کئی روپ تھے یہ تو معلوم تھا کہ مختلف علاقوں میں بدھ کے جو مجسمے بنائے گئے ہیں ان میں مقامی نقوش کا خیال اور احترام رکھا گیا ہے لیکن ایک ہی علاقے اور مندر میں اس کی اتنی شکلیں ہوسکتی ہیں یہ ایک بہت ہی غیر متوقع منظر تھا دوسری جانب بات یہ تھی کہ بدھ کے ساتھیوں اور پیروکاروں کے جو بہت بڑے بڑے اور ہیبت ناک مجسمے بنائے گئے تھے ان کے چہروں پر زیادہ تر غصہ' خشونت' انتقام اور نفرت کے تاثرات تھے اور ان کے ہاتھوں میں مختلف طرح کے ہتھیار بھی تھے جبکہ ہمارے تصور کے مطابق بدھ مذہب انتہائی امن پسند' دھیما' صلح کل اور روحانی تسکین کا علمبردار تھا۔ ان جیالوں کے پاؤں میں جدید زمانے کے واہیات جاگرز جیسے بھاری بھاری جوتے تھے اور ان کی آنکھوں میں رحم اور درگزر کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یہاں بھی بروہی صاحب آڑے آئے انہوں نے بدھ مذہب کے بارے میں عمومی طور پر اس مندر کے مجسموں پر بالخصوص ایک سیر حاصل لیکچر دیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ بہت سارے مجسمے جو بدھ کے سمجھے جاتے ہیں وہ اصل میں گوتم بدھ کے نہیں بلکہ اس کے بعد آنے والے اس کے بہت سے پیروکاروں کے ہیں گوتم کے مجسمے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے جسم پر سوائے ایک چادر کے کچھ نہیں ہوتا' سر ننگا ہوتا ہے اور اس کے ماتھے پر تیسری آنکھ کا ایک سمبل ہوتا ہے' جنگجو مجسموں کی وضاحت انہوں نے یہ کی کہ اصل میں ان کے ذریعے زندگی کی ہمہ جہتی اور انسانی معاشروں میں بزم کے ساتھ رزم کی اہمیت اور موجودگی کا احساس بھی ہے اور یہ کہ اگر ہم لوگ غور سے دیکھیں تو یہ سارے کے سارے لڑاکے سورما نہیں ہیں ان میں فنکار ذہین دانا اور زندگی کے

دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی ہیں یہ اور بات ہے کہ مجسمہ سازوں کی کم ہنری کی وجہ سے دھیان ان کے ایک جیسے چہروں میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور وہ علامتیں واضح نہیں ہو پاتیں جو انہیں ایک دوسرے سے مختلف کرتی ہیں۔

گفتگو کا رخ ایک بار پھر خالق و مخلوق کے رشتوں کی نیرنگیوں کی طرف پھر گیا بحث کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ انسانی تاریخ میں خدا کے تصور میں جو ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے اس کا ذہن انسانی ارتقاء سے کیا رشتہ ہے؟ اور وہ جو اکبرالہ آبادی نے کہا تھا کہ

کہا منصور نے خدا ہوں میں
ڈارون بولا بوزنا ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس میں اور پیرومرشد مرزا غالب کے اس استنباط میں معیاری فرق کیا ہے؟

دیر و حرم آئینہ تکرار تمنا
واماندگی شوق تراشے ہے پناہیں

ایک طرح سے صنم کدے میں خدا کی تلاش کا یہ عمل بہت دلچسپ بھی تھا اور خیال افروز بھی' اس ساری گفتگو میں جو سب سے پیچیدہ نکتہ سامنے آیا وہ یہ تھا کہ کیا خدا کا وجود ایک مکمل اور جامد قوت ہے یا انسان اور کائنات کے حوالے سے اس کا کچھ حصہ خود بھی ارتقاء پذیر ہے اور اس ''ارتقاء'' کی ماہیت کیا ہے کیا اسے ''وقت'' کے تصور کے حوالے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ خود فرماتا ہے کہ زمانے کو برامت کہو زمانہ میں خود ہوں۔ اور پھر یہ بھی ارشاد ہوا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں ظاہر ہو جاؤں سو میں نے انسان کو پیدا کیا۔ بقول ولی دکنی:

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا صورت انساں میں آ

یا پھر نبی آخرالزماں کے حوالے سے غالب کی یہ بات کہ

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قدورخ سے ظہور کی

لیکن شاعری کے حوالے سے سب سے زیادہ گہری اور معنی خیز بات اقبال نے کی ہے اور اصل میں ساری بحث کا آغاز بھی انہی

کے اس شعر سے ہوا تھا

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے "کن فیکون"

اگر کائنات سوائے ذات الٰہی کے ایک مظہر کے اور کچھ نہیں تو پھر اس کی یہ "ناتمامی" کیا ہے؟

عبادت گاہوں اور قبرستانوں میں انسانی ذہن ان سوالات پر غور کرنے میں بہت فعال ہو جاتا ہے شاید اپنی عبودیت اور فناپذیری کا احساس ہے جو ان جگہوں کے ماحول سے مل کر ایک طرح کی شدت اختیار کر جاتا ہے یا پھر یہ ہمارے اجتماعی لاشعور کی کوئی پراسرار گتھی ہے جس کے دھاگے یہاں آ کر گنجھل کی شکل میں ڈھل گئے ہیں۔

پہلا لفظ تھا اسم خدا کا' دوسرا لفظ جدائی
بعد کی گنجھل دار عبارت کچھ نہ سمجھ میں آئی

ایک طرف لوگ بغیر خوشبودار اگربتی نما کچھ چیزیں جلا رہے تھے' موم بتیاں بھی روشن تھیں اور ایک کھلے سے صحن میں لوہے اور تانبے کے بنے ہوئے ایک آٹھ دس فٹ اونچے سٹرکچر کی طرف لوگ سکے اچھال اچھال کے پھینک رہے تھے جس کا سکہ سٹرکچر کے اوپر والے حصے میں بنے ہوئے سوراخوں میں سے کسی ایک میں چلا جاتا وہ ایک دم خوش ہو جاتا معلوم ہوا کہ یہ ایک طرح کی دعا اور منت ماننے کا طریقہ ہے۔ خالد احمد نے کیا نازک شعر کہا ہے

جب بھی نظر اٹھی تو فلک کی طرف اٹھی
برگشتہ آسمان سے گویا نہ تو نہ میں

بروہی صاحب نے بتایا کہ یہ تصویریں "پرتی استھوا" کی مختلف صورتیں ہیں پرش کے وہ مختلف کشٹ ہیں وہ گیان کی تلاش میں کاٹتا ہے جگہ جگہ "فوٹو گرافی منع ہے" کے بورڈ لگے تھے لیکن عمارت کے دونوں دروازوں پر بنے ہوئے سٹالوں پر مندر کی ہر چیز کی تصویروں والے پکچر کارڈ دھڑا دھڑ فروخت ہو رہے تھے۔ یہاں چین کا دوسرا فقیر ملا' ایک ہاتھ سے محروم لیکن چہرے سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ کوئی پکا نشئی ہے ہاتھ کے اشاروں اور زبان سے کئی بار اسے "بابا معاف کرو" کہا گیا لیکن جب اس کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی تو مجبوراً اس کی خدمت میں دو یوان پیش کئے گئے متوقع ردعمل یہی تھا کہ اب وہ ہمارے ہاں کے فقیروں کی طرح کچھ دعائیں وغیرہ دیتا ہوا جائے گا لیکن اس نے جواب میں ایک ایسی فتح مندانہ مسکراہٹ پیش کی جس کے ماتھے پر جلی حروف سے

لکھا تھا۔ ''دیکھی ہماری کاریگری''

اس سے پہلے بھی ایک دو مواقع پر میں نے محسوس کیا کہ اجمل خٹک کو چھوٹے بچوں سے بہت پیار ہے لیکن اب یقین ہو گیا کہ یہ ان کی ایک بہت خوبصورت عادت ہے' جہاں بچے نظر آئے ان کو گود میں اٹھا لیتے ہیں ان کے سروں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہیں اور محبت سے تھپک تھپک کر دعائیں دیتے جاتے ہیں ان کے اجنبی چہرے اور طویل قد و قامت کے باعث شروع میں تو بچے اور ان کے والدین گھبرا جاتے تھے مگر ان کی محبت اور شفقت دیکھ کر فوراً ہی Relax اور خوش ہو جاتے مجھے ان کا یہ رویہ بہت ہی اچھا لگا۔

بدھ کے مندر کے بعد ہماری اگلی منزل ''بانگ چو کا مغربی پہاڑ'' تھا چھ سواریوں والی پرانی طرز کی تین لفٹ ٹرالیاں سطح زمین سے تقریباً ایک ہزار فٹ کی بلندی پر بنے ہوئے ریستوران تک آ جا رہی تھیں' خودرو جھاڑیوں اور پودوں سے ٹکراتی ہوئی ہماری ٹرالی کچھوے کی رفتار سے اوپر کی طرف رینگ رہی تھی۔ ایک دم یاد کے افق پر سات آٹھ سال پہلے کا ایک ایسا ہی ٹرالی کا سفر جگمگا اٹھا کینیڈا کے ایک تفریحی مقام Banff پر گنڈولا لفٹ کے ذریعے علی سردار جعفری اور میں خاصی بلندی پر بنے ہوئے ایک ایسے ریستوران کی طرف جا رہے تھے جو متمدن دنیا کا آخری کنارا تھا اور جس کے آگے تا حد نظر برف ہی برف تھی جو قطبین کی وسعتوں تک پھیلی ہوئی تھی مجھے یاد آیا کہ شاید اونچائی کی دہشت سے دھیان ہٹانے کے لئے ہم نے اس وقت زمان و مکان کے حوالے سے کچھ دانشورانہ ٹائپ باتیں کرنے کی کوشش کی تھی جن کا سلسلہ ریستوران کی محفوظ اور ہموار زمین کو چھوتے ہی منقطع ہو گیا تھا اور پھر واپسی کے سفر پر بالکل اسی طرح دوبارہ شروع ہو گیا تھا جیسے ٹی وی کا کوئی پروگرام کہ جہاں سے رابطہ ٹوٹا تھا وہیں سے پھر ملاحظہ کیجئے۔

کائنات کی اس ساری دہشت کا منبع کہیں ہمارے اندر ہی تو نہیں ہے

ریستوران کی ٹیریس پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی تو سبزے سے بھرا ہوا ہانگ چو شہر اور بھی خوبصورت دکھائی دیا مغربی شہروں کے طنطنے کی جگہ اس کے ماحول میں ایک مخصوص ملائمت تھی جو آہستہ آہستہ انسان کے وجود میں اترتی چلی جاتی ہے میزبان کافی کے ساتھ پیپر منٹ ٹائپ کی سفیدی چیز میں بھنے ہوئے کدو کے بیج لے آئے اس کھانے اور پینے کے دوران انہوں نے ہمیں بلندی سے شہر کے قابل ذکر حصوں اور عمارتوں کے بارے میں بتایا جس میں ان کی رائٹرز یونین کا دفتر بھی تھا' اجمل خٹک' فرمان فتح پوری اور بروہی کو اس منظر میں مرحوم مشرقی پاکستان کے مناظر کی جھلک نظر آ رہی تھی مجھے چونکہ آج تک ادھر جانے کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے میں ''شنیدن'' سے ''دیدن'' تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا اجمل خٹک بتا رہے تھے کہ مشہور بنگالی شاعر کوی جسیم الدین بڑے حسن پرست واقع ہوئے تھے اور ہماری آج کی سینئر فلم سٹار شبنم تیس برس پہلے ایک دبلی پتلی نوعمر لڑکی ہوا کرتی تھی اس وقت اس کا نام

جھرنا تھی اوران دنوں وہ ایک بے مثل رقاصہ کے طور پر اپنا نام اور مقام پیدا کر رہی تھی۔ خٹک صاحب کے بیان کے مطابق مغربی پاکستان سے جانے والے ادیبوں کے اس وفد کے بیشتر ارکان اس پر لوٹ تھے لیکن ابن انشاء مرحوم تو باقاعدہ عاشق ہو گئے تھے اور کچھ روایات کے مطابق انہوں نے شادی کارڈ بھی چھپوا لیے تھے' انہوں نے کاکس بازار کا ایک واقعہ بھی سنایا کہ چاندنی راتوں میں وہاں بعض اوقات بہت زیادہ پانی چڑھ آتا تھا جس کے ساتھ بہت سے جنگلی جانور بھی بہتے ہوئے آبادیوں تک آ جاتے تھے ایسی ہی ایک رات میں ہوٹل میں جھرنا یعنی شبنم کے کمروں والی سمت پانی کے ساتھ ایک خوفناک ریچھ بھی آ گیا چنانچہ وہ رات اس نے اپنے ساتھیوں سمیت خٹک صاحب کے کمرے میں گزاری جو کہ نسبتاً بلندی پر واقع تھا۔ اس پر گفتگو کا رخ مشاہیر کی حسن پرستی کے واقعات کی طرف مڑ گیا اور ایسے ایسے قصے سننے کو ملے کہ اپنی ساری زندگی ایک صاف سلیٹ کی طرح دکھائی دینے لگی۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے بتایا کہ اور تو اور اپنے مولانا حسرت موہانی جب روم گئے تو وہ بھی اپنے ساتھیوں کو باقاعدہ اطلاع دے کر حسینان اٹلی سے مکالمہ کیا کرتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ باقی ساتھی بھی ہماری میز کے گرد جمع ہو گئے تھے اور ہمہ تن گوش ہیں۔ واپسی پر لفٹ ٹرالی میں تو از طائر ہمارے ساتھ تھے اور جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے۔

''یہ نہ دیکھتے تو بہت زیادتی تھی۔''

''اس کو دیکھنا تو بہت ضروری تھا''

''یہاں نہ آتے تو محروم رہ جاتے''

اوران کے ہر جملہ تحسین کے آخر میں بروہی صاحب کا ''بیوٹی فل'' عین سم پر آ رہا تھا۔

ہوٹل کے ٹی وی پر ایک چینی ویڈیو گانا Burning Love انگریزی سب ٹائٹلز کے ساتھ چل رہا تھا۔ گانے کے بولوں سے لے کر موسیقی اور ''حرکات وسکنات'' تک ہر چیز میں امریکہ کی جھلک نمایاں تھی میں سوچنے لگا کیا چینی شہروں کی نوجوان نسل بھی تیسری دنیا کے مختلف ملکوں میں بسنے والے شہری نوجوانوں کی طرح تقلید مغرب کے راستے پر چل پڑی ہے؟ اور اس سوال کا جواب ''ہاں'' میں پا کر طبیعت کچھ بوجھل سی ہو گئی' ہنس کی چال چلنے والے کوؤں کی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ ہنس تو انہوں نے بننا ہی نہیں ہوتا اس چکر میں پوری طرح کوے بھی نہیں رہتے۔

تھوڑی دیر میں ایک انگریزی سکھانے کا پروگرام شروع ہو گیا یہ پروگرام امریکہ میں تیار کیا گیا تھا اور بظاہر اس کا مقصد قطعاً علمی تھا یعنی انگریزی نہ جاننے والے غیر ملکیوں کو انگریزی سکھائے جائے لیکن جس ہنرمندی اور چالاکی سے اس تعلیمی پروگرام میں انہوں

نے اپنے کلچر اور نظریات حیات کو سمویا تھا اور جتنے Subtle انداز میں وہ اپنی تہذیبی برتری کا نقش اپنے ناظرین کے دلوں میں بٹھا رہے تھے وہ شیشہ بازان فرنگ ہی کا حصہ ہے۔

تین افراد کی باہمی بول چال کے ذریعے جو لفظ سکھائے جا رہے تھے ان کے Visuals اور دیگر متعلقات ایسے گلیمرس تھے کہ ایک ایک بدیسی لفظ کی چکاچوند اور خیرگی سے درجنوں مقامی تہذیبی استعارے پٹے ہوئے پہلوانوں کی طرح رنگ سے باہر گرتے جا رہے تھے موضوع گفتگو یہ تھا کہ تین انگریزی فلموں Cramer vs Cramer ..... Empire Strikes Back اور Casabalanca میں سے کون سی فلم دیکھی جائے' وہ کس سینما میں لگی ہے' وہ سینما کس سڑک پر ہے' ہمفری بوگارٹ اور انگرڈ برگ کس فلم میں ہیں اور ان کی اس کے علاوہ کون کون سی فلمیں ہیں نیز کہ اس پروگرام کو عملی جامہ کیسے پہنایا جائے۔

اس پروگرام کو دیکھ کر میرا ذہن بے اختیار اپنی نصابی کتابوں کی طرف مڑ گیا جن میں آزادی کے 45 برس بعد بھی وہی نرسری رائمز رائج ہیں جو انگریز نے اپنے بچوں کے لئے اپنے ماحول کے حساب سے بنائے تھے' سو ہم آج تک ہمپٹی ڈمپٹی' بابا بلیک شیپ اور جیک اینڈ جل سے باہر نہیں نکل سکے۔ میرا بیٹا علی ذیشان سو تک انگریزی گنتی فر فر پڑھتا چلا جاتا ہے لیکن اردو میں اس کی سوئی چونتیس پر اٹک جاتی ہے اور یہاں تک بھی وہ اپنی کوشش سے پہنچا ہے کیونکہ سکول میں اسے پینتیس کی نہیں تھرٹی فائیو کی ضرورت ہے' غور کیا جائے تو جدید نسل کی مغرب زدگی سے متعلق ہماری نوے فیصد شکایات ایسی ہیں جن کے اصل ذمہ دار ہم خود ہیں۔ ہم وہ لوگ ہیں جو کریلوں کے بیج بوتے ہیں لیکن اگنے والے پھل کو سیب کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اس سارے عمل میں ہمارے پاس کرنے کے لئے صرف خواہشیں' دعائیں اور التجائیں ہوتی ہیں۔

انسانی ذات کا حصار ایسا ہے کہ بعض اوقات پوری کائنات اس کی لپیٹ میں آ جاتی ہے لیکن اگر اس سے کچھ اوپر اٹھ کر ایک فاصلے سے زمین کے اس گولے اور اس پر برپا کشاکش کو دیکھا جائے تو ایک حیرت انگیز یکسانیت کا احساس ہوتا ہے یوں لگتا ہے جیسے ازل سے اب تک اور اب سے ابد تک ایک ایسی پیکار جاری ہے جس میں کشتوں کے پشتے تو لگتے چلے جا رہے ہیں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سارے ہنگامے کا مقصد کیا ہے؟ اور کوئی ہے بھی یا نہیں۔

کاسہ ہے گدائی کا' درویش کا پیالہ بھی
مانگے کی ضیا لے کر یہ چاند ہوا روشن
یہ چاند ہوا روشن اور چاند کا ہالہ بھی

امروز کا پردا ہوا ماضی ہو کہ فردا ہو
اک بھید انوکھا ہے اک راز یہ گہرا ہے
اس برف کی گھائی پہ کچھ دیر کو ٹھہرا ہے
خوابوں کا اجالا بھی دن رات کا جالا بھی
یہ بجھتا ہوا منظر اور دیکھنے والا بھی

جب بصارتیں محبوس ہو جائیں تو بصیرتوں پر بھی دھند لکے چھانے لگتے ہیں اور یہی اصل منشا ہے ان بالا دستوں کا' جن کے بنائے ہوئے منظر ناموں میں ہم سانس لے رہے ہیں یوں کہنے کو تو تیسری دنیا میں ہر طرف آزادی اور بیداری کا شعور ہے اور دنیا کا نقشہ دم بہ دم بدل رہا ہے لیکن دوسری طرف ''خواجگی'' والے ابھی چن چن کر نئے مسکرات بناتے جا رہے ہیں اور وہ جو خواب سے جاگنے کی تگ و دو میں ہیں ان کے اردگرد کچھ ایسے جال بن دیتے ہیں کہ خواب اور حقیقت آپس ہی میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور چاروں طرف ایک بے معنویت کا غبار سا پھیل جاتا ہے۔

ڈپریشن کا یہ وقفہ شاید اور طویل ہو جاتا اگر فون کی گھنٹی نہ بجتی اور دوسری طرف سے بروہی صاحب کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی نہ دیتی جو ایک کپ ''بیوٹی فل'' چائے کے ساتھ میرا انتظار کر رہے تھے۔ بروہی صاحب میں بلوچوں کی نسلی خصوصیات اور سندھی تہذیب کی مخصوص مٹھاس اور درویشی تو ہیں ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی ستر سالہ زندگی میں انہوں نے دنیا اور اہل دنیا کو جس طرح برتا اور دیکھا ہے اس نے ان کی اپروچ اور گفتگو میں ایک ایسی آزاد خیالی اور وسیع المشربی پیدا کر دی ہے جو آج کل بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے اس روز بھی انہوں نے اپنی کتاب زندگی سے کچھ ایسے واقعات سنائے جنہیں سن کر زندگی پر اعتماد قائم ہونے لگتا ہے ان کی اسی صلاحیت کو دیکھ کر میں نے اپنے دل میں انہیں A Man for all seasons کا خطاب دے دیا۔

آج کی شام ہانگ چوکی جھیل کی سیر کے لئے مخصوص تھی۔ چار چار سواریوں والی تین چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر جب ہم روانہ ہوئے تو مجھے شبہ سا ہوا کہ سب سے اگلی کشتی کو کوئی عورت چلا رہی ہے لیکن کچھ فاصلے کی وجہ سے اور کچھ اس خاتون کے لباس' حلئے اور احوال کے باعث فوری طور پر اس کی تصدیق نہ ہو سکی میں نے اپنے کشتی بھائیوں بروہی' فرمان اور نواز طائر صاحبان سے رائے طلب کی اور ان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ وہ یقیناً عورت ہے کیونکہ حسن رضوی اس کی تصویریں اتار رہا ہے جب کوئی تین چار کلو میٹر سفر کے بعد ہم لوگ ایک ایسے گھاٹ پر اترے جس کے ساتھ ایک بہت بڑا باغ ملحق تھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا شبہ درست تھا وہ تھی تو عورت ہی لیکن

اسے صنفِ نازک کہنا اس کی توہین تھی اس کے صحت مند اور جفاکش جسم' پسینے کے قطروں سے چمکتے ہوئے ماتھے اور کشتی کو کھلونے کی طرح چلاتے ہوئے مضبوط ہاتھ پاؤں' اس بات کے گواہ تھے کہ چینی عورت کسی طرح سے بھی اپنے مردوں سے پیچھے یا کم نہیں۔

بادل کا ایک ٹکڑا بہت دیر سے ہمارے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا اب جو اس نے ہمیں کھلے آسمان سے نکل کر باغ کی عمارت کی طرف جاتے دیکھا تو شاید اسے ہماری یہ بات پسند نہیں آئی اور وہ ایک دم کچھ ایسے زور سے برسا کہ پندرہ بیس گز کا فاصلہ طے کرنے کے دوران ہی ہم سر سے پاؤں تک بھیگ گئے جس جگہ ہم نے پناہ لی وہاں پہلے سے کافی لوگ موجود تھے ہمارے سامنے والے بنچ پر دو تین لمبے تڑنگے امریکی اور انہی جیسے کپڑوں میں ملبوس ایک قدرے موٹا اور پستہ قد چینی بیٹھا تھا معلوم ہوا کہ موصوف گزشتہ چالیس برس سے امریکہ میں مقیم ہیں وہاں کے شہری بن چکے ہیں اور اب اپنے امریکی دوستوں کے ساتھ اپنے وطن مالوف کی سیر کرنے آئے ہیں اس نے بتایا کہ وہ چین کی ترقی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا ہے کیونکہ جب وہ یہاں سے گیا تھا تو حالات بہت مختلف اور تکلیف دہ تھے اس کے چہرے' لہجے اور باتوں میں ایک ایسی سرخوشی تھی جس کا لفظوں میں اظہار بہت مشکل ہے۔

تھوڑی دیر بعد میں بارش رک گئی ہم نے اپنے کشتی بانوں کو خدا حافظ کہا کیونکہ اب ہمیں ایک باغ کی سیر کرتے ہوئے اس کے دوسرے کنارے تک پہنچنا تھا جہاں ہمارا کوسٹر پہلے سے موجود ہوگا باغ کو دیکھتے ہی منیر نیازی کی آنکھوں میں طراوت سی آ گئی تھوڑے فاصلے پر چلتے ہوئے ایک گول مٹول شخص کو دیکھ کر انہوں نے مسکراتے ہوئے اعلان کیا۔

''اگرچہ اس شخص کی Body Language صحیح نہیں ہے مگر اس باغ کی فضا اور موسم کے صدقے میں اس غلطی کو معاف کر رہا ہوں۔

Body Language یعنی جسم کی زبان یہ اصطلاح بھی منیر نیازی کے مخصوص ذخیرہ الفاظ کا حصہ ہے ان لفظوں کا اصلی مزہ تو ان کے منہ سے ہی سن کر آتا ہے کیونکہ وہ کسی مانوس لفظ کو ایسے انوکھے تناظر میں استعمال کرتے ہیں کہ وہ بالکل نیا محسوس ہونے لگتا ہے ایک بہت چرب زبان اور تیز گفتار آدمی کی تعریف انہوں نے کچھ اس طرح سے کی۔

''وہ ایک ایسا سکوٹر ہے جس پر ٹرک کا ہارن لگا دیا گیا ہے''

شروع شروع میں انہیں پروفیسر نواز طائر کی باڈی لینگوئج سے بھی اختلاف تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جاننے کے بعد ان کی رائے بدل گئی اور آخری دو تین دنوں میں تو وہ باقاعدہ ایک دوسرے کے ساتھ چہلیں کرتے پائے گئے۔

اس باغ میں چین کے مقامی پودوں اور درختوں کے ساتھ ساتھ صنوبر کے بھی بے شمار درخت تھے سوان کے حوالے سے اردو شاعری میں صنوبر کے استعمال کا ذکر چھڑا اور بات مختلف شعروں سے ہوتی ہوئی وہیں رکی جہاں اسے رکنا چاہیے تھا یہ مرزا غالب بھی کیا کمال کا شاعر تھا ہر موقعے کے لئے اس کے پاس کوئی نہ کوئی بے مثال شعر مل جاتا ہے۔

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قد دلکش سے جو گلزار میں آوے

ابھی ہم اس مسئلے پر بحث کا آغاز ہی کر رہے تھے کہ مناظر فطرت سے متعلق بہت سے استعارے ہماری شاعری سے کیوں غائب ہوتے جا رہے ہیں کہ ایک موڑ پر اچانک ایک خوبصورت فرنگی جوڑا ظاہر ہوا مرد کا نام رافائل (رافیل) اور عورت کا تری نیدا تھا وہ دونوں سپین سے آئے تھے اور ان کا گھر قرطبہ کے ایک نواحی قصبے میں تھا' انگریزی ان کی ہم سے بھی زیادہ واجبی تھی جس کی سب سے زیادہ خوشی حسن کو ہوئی کیونکہ تری نیدا ایک جملہ تین حصوں میں مکمل کرتی تھی۔ (۱) چند گرامر کے قواعد سے آزاد انگریزی نما لفظ۔ (۲) خوبصورت مسکراہٹیں اور چھوٹے چھوٹے قہقہے جنہیں انگریزی میں Giggle کرنا کہتے ہیں۔ (۳) بار بار ور سے ہاتھ ملانا۔

شاید یہ چین کے ساتھ صدیوں کے گم گشتہ رشتوں کی یاد کا اثر تھا کہ باغ کے اس مختصر سے سفر میں ہر خورد و کلاں نے اس حسینہ اندلس سے اس قدر گرم جوشی سے مصافحے کئے کہ معانقوں کی کمی پوری ہوگئی مگر آفرین ہے اس بی بی پر بھی کہ اس نے حسن رضوی سے علی احمد بروہی تک سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھا' علامہ اقبال بہت یاد آئے۔

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دلنشیں

دن بھر کا خوشگوار سفر شام کے سایوں کی درازی کے ہم قدم اب آہستہ آہستہ تھکاوٹ کی شکل میں رگ و پے میں اتر رہا تھا ساڑھے چھ بج رہے تھے یعنی چین کے حساب سے ہمارا ڈنر ٹائم شروع ہو چکا تھا طے پایا کہ تھوڑی دیر لابی میں ہی سستا لیں اور پھر کھانا کھا کر ایک ہی بار کمروں کا رخ کریں۔

سامنے کے صوفے پر دو معقول صورت میمیں اور ایک ضرورت سے زیادہ صحت مند دس بارہ سال کا لڑکا بیٹھے تھے معلوم ہوا کہ لڑکے والی بی بی کسی فرانسیسی سفارت کار کی بیوی ہے اور تھوڑی بہت کام چلاؤ انگریزی بول لیتی ہے جبکہ اس کی ساتھی ایتھنز یونان کی

رہنے والی ہے جسے یس اور نو کے علاوہ صرف مسکرانا آتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ آدھی دنیا کی سیاحت کر چکی ہے اور اس وقت بھی وہ لوگ سیر کے لئے گھروں سے نکلے ہوئے تھے۔ فرنچ بی بی یہ ماننے پر تیار نہیں تھی کہ ہم لوگ ادیبوں کا گروپ ہیں کیونکہ اس کے خیال میں اتنی زور زور سے اور اتنا زیادہ ہنسنے والے لوگ اور کچھ بھی ہوں ادیب اور شاعر نہیں ہو سکتے۔ ہم نے بڑی مشکلوں سے اسے یقین دلایا ادب اور خوشی کی آپس میں کوئی خاندانی دشمنی نہیں ہے اور یہ کہ الجزائر سے چین تک' تیسری دنیا کے افتادگان خاک اپنے اپنے حصے کے تمام آنسو رو چکے ہیں اور ہمارے قہقہے اسی عالمی تبدیلی کے نقیب اور نمائندہ ہیں کہ

افق سے آفتاب ابھر گیا دور گراں خوابی

اور یہ کہ.....

گیا	دور	سرمایہ	داری	گیا
تماشہ	دکھا	کر	مداری	گیا

ابھی یہ انتقامی + انقلابی گفتگو جاری ہی تھی کہ ان لوگوں کی موٹر آ گئی' عزیز بگتی کا خیال تھا کہ حسینہ یونان ہماری گفتگو سے واضح طور پر متاثر نظر آ رہی تھی البتہ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس کی وجہ اس کی انگریزی تھی یا ہماری؟

28 اگست کا دن چینی دیہات کی سیر کے لئے وقف تھا پہلے ہمیں فویانگ (Fu_Yan) جانا جو ہانگ چو کا ایک نواحی قصبہ ہے' انگریزی اصطلاح میں اسے کاؤنٹی بھی کہا جا سکتا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے دوران سڑک کے دونوں طرف دور دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں میں اکا دکا لوگ سیر کرتے پھر رہے تھے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پختہ مکانوں والی چھوٹی چھوٹی آبادیاں تھیں جن میں پتھروں پر کپڑے دھوتی اور سبزی اور مچھلی بیچتی ہوئی عورتیں دکھائی دیں لیکن یوں لگتا تھا جیسے یہ سب کچھ نیند میں ہو رہا ہے کہیں بھی شور شرابا سنائی نہیں دیا ایک مکان کے باہر ایک بوڑھی عورت بڑے انہماک سے اپنے جوتے کی مرمت کر رہی تھی۔ اجنبی چہروں کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی مگر دوسرے ہی لمحے وہ پھر اپنے جوتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

فویانگ کے میزبانوں نے بڑا اہتمام کر رکھا تھا ایک کھلی پک اپ ٹائپ موٹر میں ویڈیو فلم بنانے والا عملہ سوار تھا' معلوم ہوا کہ ہماری یہ وزٹ ٹیلی ویژن کے لئے بھی ریکارڈ کی جا رہی ہے البتہ یہ اطلاع تشویشناک تھی کہ اسے ثقافتی کے بجائے زراعتی پروگرام میں ٹیلی کاسٹ کیا جائے گا تھوڑی دیر بعد ہم ایک ایسی جھیل کے کنارے پہنچے جسے آسانی سے سمندر بھی کہا جا سکتا تھا۔ ایک پرانا شور مچاتا ہوا اسٹیمر ہمارا انتظار کر رہا تھا جس میں جگہ جگہ بانس کی بنی ہوئی کرسیاں' سٹول اور بنچ پڑے تھے سٹیمر خاصا بڑا تھا اس لئے لوگ

ٹولیوں کی شکل میں اس کے مختلف حصوں میں بکھر گئے ہمارے گروہ میں مقامی میزبان لی اور اس کی چھ سات سالہ بچی شاتنگ بھی تھی جو مہمانوں کی خصوصی توجہ کی وجہ سے پریشان سی ہو کر بار بار اپنی ماں کے پیچھے چھپ رہی تھی اس کی اس معصوم حرکت کا سب سے زیادہ لطف اجمل خٹک لے رہے تھے چھوٹے بچوں سے ان کی یہ غیر معمولی محبت ان کی شخصیت کا فطری حصہ تھی اس کی وجہ طویل قید کی تنہائی اور اپنی اولاد سے دوری تھی یا ابتدائی دنوں کی سکول ٹیچری' اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے میرا خیال ہے کہ یہ تینوں ہی عناصر ان کے اس رویے میں شامل ہیں۔ ہم نے لی سے پوچھا کہ چینیوں میں اتنے زیادہ ''لی'' کیوں ہوتے ہیں کیا آپ کے یہاں ناموں کی کمی ہے تو اس نے بتایا کہ لی نام نہیں بلکہ ایک طرح کا خاندانی نام اور ذات ہے جیسے ہمارے یہاں سید' چودھری' مرزا وغیرہ ہوتے ہیں۔

مقامی ادیبوں کا سربراہ چیانگ سنگ تو بھی میری طرح فارغ البال تھا حسن نے اس کی طرف دیکھ کر شرارتاً کہا۔

''یہ تو تمہارا ہم زلف لگتا ہے۔''

میں نے کہا ''اس کا اور میرا سر اوپر سے خالی ہے افسوس کہ یہاں تمہارا ہم سر نہیں مل سکے گا کیونکہ چینیوں میں اندر سے خالی سر والے لوگ نہیں ہوا کرتے۔''

اس پر ایک زور کا قہقہہ پڑا اور شاتنگ نے گھبرا کر اپنی ماں کا بازو اتنے زور سے کھینچا کہ وہ گرتے گرتے بچی۔

ہمارا اسٹیمر کنارے لگا تو ایک دبلا پتلا لیکن پھرتیلا چینی نوجوان لکڑی کے تختوں پر جمناسٹک سی کرتا ہوا ہماری طرف آیا معلوم ہوا کہ وہ چین کے لوک ورثے اور ثقافت کے محکمے کا ایک زیر تربیت افسر ہے اور ''شاتنگ ساتو'' گاؤں کے اس دورے میں ہمارے رہبر اور ترجمان کا کام کرے گا اس نے اپنی گرامر کی پابندیوں سے آزاد انگریزی میں بتایا کہ سب سے پہلے ہمیں گاؤں کی مخصوص سواری یعنی بیل گاڑی کی سیر کرائی جائے گی اس کے بعد گاؤں کا ایک راؤنڈ ہوگا اور آخر میں بھیڈوں (نر بھیڑوں) کی لڑائی دکھائی جائے گی۔ منیر نیازی نے لمبی سی جمائی لے کر کہا ''یار یہ بھیڈووں کی لڑائی تو رہنے ہی دو اسے دیکھ دیکھ کر تو ہم تھک چکے ہیں بلکہ اب تو بھیڈو بھی اس فضول کام سے تھک چکے ہوں گے؟

بیل گاڑی کی سیر کا مطلب گڈے کا سفر تھا جو تین چار فرلانگ کے ایک کچے رستے پر مشتمل تھا البتہ بیل غیر معمولی طور پر توانا تھے ہمارے میلہ مویشیاں میں حصہ لیتے تو یقیناً انعام پاتے۔

''شاتنگ ساتو'' ویسا ہی گاؤں تھا جیسے گاؤں ہوا کرتے ہیں' ایک بڑے سے کمرے میں کاشت کاری کے پرانے اوزار چرخہ'

چکی وغیرہ رکھے تھے اس کے ساتھ ہی پاؤں سے چلانے والی پن چکی تھی لیکن اصل دلچسپی کی چیز کاغذ بنانے کا عملی مظاہرہ تھا کہتے ہیں کہ چین نے انسانی تہذیب کو جو چار عظیم تحفے دیے ہیں ان میں سے ایک کاغذ ہے جس کے بغیر انسانی علم وشعور کی ترقی شاید ممکن ہی نہ ہوتی۔

جانوروں کو پانی پلانے جیسی ایک ہودی نما جگہ میں تنکوں' گھاس اور چاولوں کے گودے کو جمع کر کے ایک لمبی سی جالی نما چیز سے چھانتے ہیں اور اس کے سانچے بنا بنا کر دھوپ میں رکھتے جاتے ہیں جس سے بالآخر ایک گتہ نما کاغذ حاصل ہوتا ہے یہ گویا اس صنعت کا ابتدائی نمونہ تھا' دنیا بھر کے اہل قلم چین کی اس بے مثال ایجاد کے لئے رہتی دنیا تک احسان مند رہیں گے۔

کاغذ سازی کے مظاہرے کے بعد ہمیں دریا کے راستے اگلی منزل تک جانا تھا لیکن اس کے لئے ٹرانسپورٹ بڑی عجیب وغریب اور خطرناک تھی یہ بانسوں سے بنی ہوئی ایک پندرہ فٹ لمبی ایسی کشتی تھی جس کی کل چوڑائی تین چار فٹ سے زیادہ نہیں تھی دائیں بائیں سہارے کے لیے بھی کوئی چیز نہیں تھی یوں سمجھئے کہ بانسوں سے بنا ہوا ایک پتلا سا تختہ تھا جسے غالباً ہمارے یہاں نوکا کہا جاتا ہے۔ ایک نوعمر لڑکا لمبے سے بانس کے ذریعے اسے چلا رہا تھا اور ٹی وی والے بھاگ بھاگ کر ہمارے اس سفر کو عکس بند کر رہے تھے جو پہلی نظر میں آخری سفر معلوم ہو رہا تھا' مختلف انسانی احساسات فرد پر جس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اس طرح گروہ پر نہیں ہوتے یعنی فرد کی نفسیات اور گروہ کی نفسیات میں ایک فرق ہوتا ہے۔ مثلاً عین ممکن ہے کہ دریائے فوتھین کے اس چوڑے پاٹ میں اگر انفرادی طور پر ہم کو اس کشتی میں بیٹھنے کو کہا جاتا تو شاید کوئی بھی تیار نہ ہوتا لیکن یہاں سوال عزت اور ہمت کا آن پڑا تھا سو ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی سب ڈولتے ہوئے قدموں کے ساتھ ایک دوسرے کے آگے پیچھے کشتیوں میں سوار ہو گئے اور ہمارے نوعمر مانجھی نے بانس کو چپو کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا کشتی اگرچہ کنارے کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی مگر یہ احساس کہ ہمارے دائیں بائیں محض چند انچ کے فاصلے پر گہرا اور مٹیالا پانی ہے بہر حال اتنا خوشگوار نہیں تھا۔

گھاس پھوس کی بنی ہوئی ایک اٹھارویں صدی کی انگریزی فلموں والی Hut - Pub میں جسے جھونپڑی کہنا یقیناً زیادتی ہوگی ہمیں تازہ دم کرنے کے لئے ہلکے مشروبات (Soft Drinks) کا اہتمام کیا گیا تھا ہٹ (Hut) کا سارا فرنیچر بانس کی لکڑی کا تھا اور یہ سٹرکچر سطح زمین سے آٹھ دس فٹ بلند ایک چبوترے پر بنایا گیا تھا ہمیں بتایا گیا کہ یہ جگہ گاؤں کا کمیونٹی سنٹر ہے جہاں مختلف وقتوں میں علاقے کے خورد وکلاں جمع ہوتے ہیں اور اجتماعی نوعیت کے مسائل کا فیصلہ بھی اسی جگہ کیا جاتا ہے میں نے کھڑکی سے دیکھا تو ایک طرف کچی سڑک کے موڑ پر کچھ لوگ جمع تھے جن کے درمیان دو سینگوں والی بکریاں سر جھکائے دنیا ومافیہا سے بے خبر

کھڑی تھیں۔

جونہی ہم چبوترے کی سیڑھیاں اتر کر کچی سڑک پر آئے یکدم دفلیں اور نفیریاں بجنا شروع ہوگئیں۔ سڑک کے دونوں طرف چار چار نوجوانوں کی دو ٹولیاں خصوصی ملبوس پہنے ہمارے استقبال کے لئے نغمہ سرا تھیں۔ ابھی ہم اس عزت افزائی سے سنبھلے بھی نہیں تھے کہ بکریوں کے قریب کھڑے لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ ترجمان نے بتایا کہ یہ سب لوگ آپ کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں' میں نے سوچا کہ یہ وی آئی پی ہونے کا احساس بھی کیسا ظالم اور گمراہ کن ہے انسان یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے استقبال کنندگان کرائے پر منگائے ہوئے فنکار اور سکولوں سے زبردستی لائے ہوئے بچے ہیں' اپنے نفس کو کیا کیا دھوکے دیتا ہے۔ (یا شاید کھاتا ہے)

کھانے کے بعد مقامی ادیبوں سے ملاقات تھی اور یہ سب لوگ سچ مچ مقامی ادیب تھے یعنی انہیں ابھی تک قومی سطح تک رسائی حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی ان میں سے کسی کو چین سے باہر جانے کا موقع ملا تھا سب سے پہلے جس شاعر نے نظم سنائی وہ نیکر اور بوشرٹ میں ملبوس تھا' چین میں ہماری طرح فارمل لباس کی اتنی زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی نوجوان نسل تو عام طور پر بغیر بازو کی بنیان اور نیکر میں نظر آئی البتہ کسی شاعر کے ساتھ یہ تصور بہت اوپرا تھا کہ وہ نیکر پہنے مطلع عرض کر رہا ہوگا۔

میں نے اس نظم کا ترجمہ نوٹ کرنے کوشش کی جو کچھ یوں تھا۔

میرا دل یہ سوچ سوچ کر ڈرتا ہے
کہ جب تم نے مجھے دیکھا تھا
تو میں تمہیں کیسا لگا تھا
میں یہاں پردیس میں تمہارے لئے دن رات محنت کر رہا ہوں
اور روزانہ سٹیشن پر آ کر اس گاڑی کا انتظار کرتا ہوں
جس پر تمہیں آنا ہے
میرا دل یہ سوچ سوچ کر ڈرتا ہے
کہیں تم غلط گاڑی میں نہ بیٹھ جاؤ

چینیوں کو بات بات پر ہنسنے کی عادت ہے سو اس نظم کے اختتام پر بھی شاعر نے ایک بھرپور اور لمبا قہقہہ لگایا جو ہماری داد کی وجہ

سے طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا۔

میرے قریب بیٹھے ہوئے کسی نے آہستہ سے کہا

''اگر یہ اسی حلیے میں سٹیشن جاتا تو پھر وہ مت آتی''

نواز طائر کی مرنجاں مرنجی اور خوش خوراکی بالآخر رنگ لائی دوپہر کے کھانے میں انہوں نے ازراہ مروت اپنے میزبانوں کی بتائی ہوئی ہر چیز سے انصاف کیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ان کی طبیعت خراب ہوئی اور پھر قے آنی شروع ہوگئی ان کے لئے ڈاکٹر کا انتظام کیا گیا اور کوئی آدھ گھنٹے کے تعطل کے بعد محفل دوبارہ شروع ہوئی۔

ایک دبلی پتلی خوش قامت اور خوش اندام لڑکی جدید انداز کا فیشن ایبل لباس پہنے اور مناسب میک اپ کئے ایک کونے میں بیٹھی تھی مگر شاید وہی کونا سب سے زیادہ روشن تھا کیونکہ زیادہ تر نظروں کا رخ اسی طرف تھا اب اعلان ہوا کہ وہی بت طناز سخن سرا ہوگا کہ نام جس کا ''لوسو'' ہے لوسو نے اپنے کھلے بالوں کو جھٹک کر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے کے ساتھ نظم شروع کی جس کا عنوان تھا۔

''موسم بہار کا ایک دن''

ترجمے کی چکی میں پس کر عام طور پر نظم کا ملیدہ بن جاتا ہے مگر تھانگ کے اچھے ترجمے ہماری یکسوئی اور ''لوسو'' کی مترنم اور خوبصورت آواز نے عجیب سا سماں باندھ دیا اور یوں لگا کہ جیسے اگر یہ نظم ترجمہ نہ ہوتی پھر بھی سمجھ میں آجاتی۔

چڑیا کی آواز سے جاگنے والا یہ موسم

موسم بہار ہے

اس موسم میں بے شمار پھول کھلتے ہیں

اور بہت سے مسافر آتے اور جاتے ہیں

وقت کے ساتھ جانے والوں کے نشان مٹ جاتے ہیں

اور سب چیزیں پرانی ہو جاتی ہیں

بہار کے موسم میں بہت رونق ہوتی ہے

مگر دل کو آرام نہیں ہوتا

کیونکہ اس موسم میں بچھڑنے والے دوست واپس نہیں آتے

ہم باہر کا یہ موسم دیکھتے ہیں
اور پھر واپس اپنی روزمرہ زندگی میں آجاتے ہیں

سب نے نظم کی دل کھول کر داد دی اور میں نے دیکھا کہ لوسو کا چہرہ اس مخصوص شرم سے گلنار ہو گیا جس کے دامن میں ایک حقیقی اور سچی مسرت چھپی ہوتی ہے۔

بروہی صاحب نے اٹلی کے کبڑے شاعر (Leo Pardi) لیو پارڈی کی ایک بہت مختصر مگر بہت شاندار نظم سنائی جس کا انگریزی ترجمہ کچھ یوں ہے۔

I am alone and afraid in a world
which i never made

چنگیز خان جونیئر نے محفل میں موجود باقی ادیبوں اور شاعروں کا تعارف کرایا دو طرفہ شعر و شاعری کے بعد کچھ ادبی مسائل پر گفتگو ہوئی جس میں سرفہرست یہ مسئلہ تھا کہ چینی ادب پر یورپی ادب کے اثرات کس طرح سے پڑے ہیں۔کون سی نئی تکنیکیں ان کے یہاں آئی ہیں ان کے روایتی ادب میں جدید نظریات کے باعث کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ بزرگ اور جدید نسل میں جنریشن گیپ اگر ہے تو کتنا ہے اور نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے اور یہ کہ کیا ان کا ادب بھی ان کے لباس کی طرح مغرب کے سانچے میں ڈھل گیا ہے یا نہیں۔ظاہر ہے کہ یہ ساری گفتگو ترجمان کے ذریعے ہی ممکن تھی' تھانگ اگرچہ بہت اچھا ترجمان تھا لیکن جب ایک ہی وقت میں زیادہ آدمی بولنے لگیں تو کسی کو کسی کی بات سمجھ نہیں آتی چنانچہ اس ''فری فار آل'' گفتگو میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مولانا حالی کی ایک نظم مجسم ہو کر سامنے کھڑی ہو گئی۔ میں نے چپکے سے بروہی صاحب کو اس کے پہلے دو شعر سنائے۔

اے بزم سخنوراں کے سخن آرا
ہر خورد و کلاں تیری فصاحت پہ فدا ہے
کھلتا نہیں کچھ اس کے سوا تیرے بیاں سے
اک مرغ ہے خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے

بروہی صاحب نے پہلے تو حسب معمول ''بیوٹی فل'' کہا پھر زیر لب مسکراتے ہوئے کچھ کچھ گنگنانے کے انداز میں بولے۔

''آپ کا روئے سخن غالباً لوسو کی طرف ہے۔''

میں نے فوراً جوابی حملہ کیا

"ماشاءاللہ آپ کوتو نام بھی یاد ہے"

بولے بندۂ خدا اب کم ازکم ہمیں نام تو یاد رکھنے کی اجازت دے دو"

گفتگو کے اختتام پر باہر ایک کھلی اور پر فضا جگہ پر تصویروں کا سیشن شروع ہوا یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لوسو ہر تصویر میں شامل تھی۔

اجمل خٹک طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے اس محفل میں شریک نہیں ہوئے تھے اور نواز طائر کو بھی بیماری کے باعث درمیان میں سے جانا پڑا تھا مگر سپورٹس مین سپرٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں بھی کمروں سے بلوایا گیا تاکہ وہ بھی اتنے "اچھے موسم" سے لطف اندوز ہو سکیں۔

لوسو کی انگریزی کے آٹھ دس لفظ آتے تھے چنانچہ زیادہ تر علمی مکالمے اس کے ساتھ ہوئے اور تو اور ہم نے منیر نیازی کو بھی ایک علیحدہ تصویر بنوانے کے دوران اس سے مصروف گفتگو پایا' بہت مشکلوں سے لوسو نے منیر نیازی کی توجہ اس کیمرہ مین کی طرف کروائی جو ان کی تصویر بنانے کے لئے گزشتہ کئی منٹ سے تیار کھڑا تھا۔

بعد میں جب ہم نے نیازی صاحب کو اس مسئلے پر گھیرنے کی کوشش کی تو انہوں نے ایک بہت مزیدار لطیفہ سنا کر جان بچالی جس کا موضوع بھی "زبان" ہی تھا۔

ایک طوطے کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ انگریزی اردو اور پنجابی تینوں زبانوں میں بول سکتا ہے ایک صاحب نے اس کا امتحان لینے کی غرض سے کہا۔

How, do you do?

"I am fine, how are you?"________طوطا بولا۔

"کیا حال ہے تمہارا؟" اس بار وہ صاحب اردو میں بولے۔

"میں ٹھیک ٹھاک ہوں' آپ کیسے ہیں؟" طوطے نے ترت جواب دیا۔

"کیہ حال اے تیرا؟" اب کے پنجابی میں سوال کیا گیا۔

اس پر طوطے نے گھور کر ان صاحب کو دیکھا اور بولا۔" اوئے الو دے پٹھے کچھ ہور گل وی کر کہ حال ای پچھی جائیں گا۔"

(ابے الو کے پٹھے کچھ اور بات بھی کرو یا حال ہی پوچھے جاؤ گے)

فویانگ کے ادیبوں کے ساتھ یہ پرلطف اور دلچسپ محفل ابھی اور بھی چلتی لیکن چینی میزبانوں کا ڈسپلن درمیان میں آ گیا اور ہمیں بتایا گیا۔

اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

راستے میں گفتگو کا سلسلہ چینیوں کی اسی تنظیم' مساوات اور خود اعتمادی کی طرف مڑ گیا کہ سارے وقت میں ہمیں عمر' مرتبے اور شہرت وغیرہ کے حوالے سے میزبانوں کے درمیان کسی قسم کے فرق کا پتہ نہ چل سکا اس پر بروہی صاحب نے ایک بہت دلچسپ واقعہ سنایا۔

''مشرقی پاکستان کے مشہور عوامی لیڈر مولانا بھاشانی چین کے دورے پر تھے کہ بیمار ہو گئے اس وقت کے وزیر اعظم اور عظیم چینی رہنما چواین لائی نے ہسپتال میں ان کی دیکھ بھال کے لئے اپنا خصوصی گارڈ بھجوا دیا' ایک دن وہ خود بھی ان کی عیادت کے لئے آیا اس کے جانے کے بعد بھاشانی صاحب نے گارڈ سے پوچھا کہ تم وزیر اعظم کے استقبال کے لئے اٹھ کر کھڑے کیوں نہیں ہوئے اور اس کو سلیوٹ کیوں نہیں مارا۔

گارڈ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا' میں ایسا کیوں کرتا کہ اگر آج کامریڈ چواین لائی وزیر اعظم ہے تو کل کو میں بھی ہو سکتا ہوں' ہم دونوں دل سے ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور یہ بہت کافی ہے۔''

فویانگ کے اس سفر کی ایک اور یادرہ جانے والی بات وہ مسلم کھانا تھا جس کا ہمارے لئے خاص طور پر اہتمام کیا گیا تھا یہ ایغور زبان بولنے والوں کا ایک ہوٹل تھا جو صوبہ سنکیانگ میں بولی جاتی ہے اور اپنی ساخت میں ترکی زبان سے بہت قریب ہے یہ سن کیانگ وہی ہے جسے ہم کاشغر کے نام سے جانتے ہیں' وہی نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر' والا۔

اس کھانے میں ترکی اور افغانی ٹچ نمایاں تھا۔ کیشونٹ' کوفتے اور تکے بہت مزیدار تھے۔ ہر جگہ کی طرح مچھلی یہاں بھی موجود تھی بابا عبیر ابوذری کی نظم بہت یاد آئی جس کا پہلا مصرعہ ہے۔

میں روٹی نیوں پکانی وے توں مچھلی چب لے

(آج میں کھانا نہیں پکاؤں گی بہتر ہے کہ تم مچھلی (بھٹہ) کھا کر گزارہ کر لو)

اچھے کھانے کے ساتھ یہ تسلی کہ یہ باقاعدہ ذبیحہ ہے کام و دہن کے لئے ایک اضافی کشش تھی چنانچہ ہم نے پہلی بار سیر ہو کر کھانا کھایا خٹک صاحب نے ازراہ بزرگی ولیڈری کھانا پکانے اور کھلانے والی لڑکیوں کے ماتھوں پر بوسے دیئے' البتہ منیر نیازی کو بعد میں

لوسو پر ان کی اس شفقت کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی ان کا کہنا تھا کہ اس کی تو نظم بھی خٹک صاحب نے نہیں سنی۔

بروہی صاحب نے کہا بھئی یہ آپ پٹھانوں کا داخلی معاملہ ہے اسے آپس ہی میں سلجھاتے۔ ہم بولیں گے تو بات سیاسی ہو جائے گی۔

منیر نیازی کی Fantasy World ان کے اردگرد کی حقیقی دنیا سے زیادہ بامعنی ہے چنانچہ ان کی اکثر باتیں حقیقت اور گمان کے درمیان سفر کرتی ہیں واپسی کے سفر میں انہوں نے گزشتہ شام سڑک پر ملنے والی "چینی خواتین سے ملاقات کا واقعہ کچھ اس طرح سے سنایا کہ صورتحال "بنکاک کی راتیں" جیسی ہوگئی جبکہ ان کے ہم سفر فرمان فتح پوری کا کہنا تھا کہ اس سارے واقعے کا دورانیہ کل تین چار منٹ تھا اور موضوع گفتگو کسی ایسی دکان کی تلاش تھی جہاں سے ماچس خرید جا سکے اس وضاحت پر نیازی صاحب نے ڈاکٹر فرمان کے بارے میں کچھ ایسے کمنٹس دیئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ تمام محقق بنیادی طور پر غبی ہوتے ہیں۔ اب یہ فرمان صاحب کی وضعداری ہے کہ انہوں نے سارے حملے ایک مسکراہٹ میں سمیٹ لئے نیازی صاحب کو بھی شاید اپنے ردعمل کی تیزی کا احساس ہو گیا تھا چنانچہ انہوں نے بات بدل کر گزشتہ شام کا ایک اور دلچسپ واقعہ سنایا کہ کس طرح انہیں پیشاب کرنے کے لئے ہر دفعہ ایک یوان خرچ کرنا پڑا اور یوں صرف پیشاب پر ان کے تین یوان یعنی پندرہ روپے خرچ ہو گئے۔

اپنے ہوٹل واپس پہنچے تو لابی میں لطیف پٹنی سے پھر ملاقات ہوئی جو ایک چینی سے بڑی روانی کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا اس کی زباندانی اور روانی پر منیر نیازی کا تبصرہ اس شام کا حاصل تھا۔ بولے "بھئی یہ شخص جس طرح فرفر چینی بولتا ہے اس طرح تو ہماری شاعرہ بھی فرفر جھوٹ نہیں بولتی۔

اخبار چائنا ڈیلی میں آج اسلام آباد کا موسم درج تھا پتہ نہیں کیوں اچھا لگا ٹی وی کے پروگراموں میں ایک پانچ پارٹ کے ڈرامے کا خصوصی ذکر تھا نام تھا۔

Life of the young man of financial bureau

ساتھ ہی کہانی کا مختصر خلاصہ بھی دیا ہوا تھا جو کچھ یوں تھا

"کہانی کا ہیرو لی ین حکومت کے محکمہ انکم ٹیکس کا افسر ہے اس کا بھائی اور بھابی پرائیویٹ بزنس کرتے ہیں اور اس کے عہدے کی آڑ لے کر ٹیکس بچانے کی کوشش کرتے ہیں مگر لی ین ایک ذمہ دار شخص ہونے کے ناطے انہیں پورا ٹیکس دینے پر مجبور کرتا ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی رشتہ داری یا رعایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔"

اس کہانی کو پڑھ کر مجھے ماؤزے تنگ ہی کا ایک جملہ بہت یاد آیا کہ

"سارا ادب پراپیگنڈہ ہوتا ہے مگر سارا پراپیگنڈہ ادب نہیں ہوتا۔"

جب سے چین کے پروگرام کا پتہ چلا تھا ریشم کا ذکر بار بار آ رہا تھا شاہراہ ریشم (Silk Route) کے حوالے سے یہ بات بار بار دہرائی گئی کہ چین سے بہتر ریشم دنیا میں کہیں نہیں ملتا اور یہ کہ چین سے بلا ریشم خریدے آنا گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ وفد کے سارے ارکان بھی اس موضوع پر ہم خیال تھے' اب جو پتہ چلا کہ ریشم کی خریداری یہیں سے کی جائے گی۔ میزبانوں نے ہماری فرمائش پر پروگرام میں کچھ ردوبدل کیا اور بتایا کہ ہم صبح نو بجے سے گیارہ بجے تک ریشم سے حتی المقدور الجھ سکتے ہیں۔ شوق ریشم میں ہم سب ٹھیک نو بجے ایک بہت بڑے سلک سٹور پر پہنچ گئے ابھی دروازے بند تھے اور لوگ آہستہ آہستہ جمع ہو رہے تھے تھوڑی ہی دیر میں دروازے کھلنے لگے مگر مجال ہے جو کسی نے بھی جلدی دکھائی ہو سارا ہجوم اتنی خاموشی اور تنظیم کے ساتھ سٹور میں داخل ہو گیا جیسے وہ شاپنگ نہیں ڈرل کرنے آئے ہوں۔

یہاں بھی وہی زبان کا مسئلہ درپیش تھا سلک کے کاؤنٹرز پر بیس پچیس لڑکیاں موجود تھیں لیکن کسی کی بھی انگریزی یس اور نو سے زیادہ نہیں تھی تاؤ نامی ایک لڑکی وہاں کی واحد انگریزی بولنے والی تھی جو پھرکی' کی طرح چاروں طرف گھوم رہی تھی اور غالباً بلحاظ عہدہ ان لڑکیوں سے سینئر بھی تھی کیونکہ وہ بار بار ان کو مختلف باتوں پر سرزنش بھی کرتی جا رہی تھی۔ حساب کتاب اور ناپ تول میں بھی یہ لڑکیاں خاصی پیدل تھیں کیونکہ ہر بار ان کے ٹوٹل میں کوئی نہ کوئی غلطی نکل آتی تھی اور کپڑے کے ناپ کے بارے میں بھی انہیں بار بار بتانا پڑتا تھا۔

شاپنگ کے سلسلے میں میری ایک عجیب عادت ہے جس کی وجہ سے میری بیوی اکثر مجھ سے نالاں رہتی ہے اور وہ یہ کہ میں زیادہ پھرنے اور مول تول کرنے کا عادی نہیں جو چیز پسند آ جائے اور خریدی جا سکے فوراً خرید لیتا ہوں کیونکہ زیادہ چیزیں دیکھنے سے سوائے آدمی کا ارادہ کمزور اور متزلزل ہونے کے اور کچھ نہیں ہوتا سو یہاں بھی میں نے جلدی جلدی تین سوٹوں کا کپڑا خریدا اور تاؤ کو ساتھ لے کر سٹور کے بچوں والے حصے کی طرف چل دیا تاؤ کے حالات ایسے نہیں تھے کہ اس کی کمی زیادہ محسوس کی جاتی مگر بطور ترجمان اس کی یقیناً سب کو ضرورت تھی سو میں نے کوشش کی کہ اسے جلد سے جلد فارغ کر دوں لیکن یہ کام کوئی اتنا آسان نہیں تھا بچوں والے حصے میں چیزیں معمولی اور قیمتیں غیر معمولی تھیں معلوم ہوا کہ یہ سٹورز زیادہ تر غیر ملکی لوگوں کے لئے ہے اس لئے قیمتیں سامراج دشمن جذبے کے ساتھ رکھی گئی ہیں اب ان کو یہ کیسے بتایا جاتا کہ ہم لوگ بھی انہی کے بھائی بند ہیں اور انہی کی طرح مغربی سامراج کے ڈسے ہوئے

ہیں۔

تاؤ نے بڑی گرمجوشی سے مجھے مختلف کپڑے پہن پہن کر دکھائے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ بچوں کے لئے یہاں سے شاپنگ کرنا مناسب نہیں ہوگا ہم لوگ واپس نچلے ہال میں آئے تو معلوم ہوا کہ ہماری ڈھنڈیا پڑی ہے۔ ادائیگی کے کاؤنٹر پر اشاروں کی زبان کے ذریعے بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری تھا جبکہ حسن رضوی ایک لڑکی کے جسم پر کوئی پچاس قسم کے تھان کھلوا کھلوا کر یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ بھابی کے لئے کون سا کپڑا خریدا جائے اور بروہی صاحب اس کے ہر استفسار کے جواب میں پوری سنجیدگی سے کہتے جا رہے تھے۔ ''بیوٹی فل''

رات کو ہوٹل کی بالائی منزل پر واقع ایک بہت خوبصورت ریستوران میں ادیبوں کی مقامی انجمن کے سربراہ چیانگ یشنگ یوکی طرف سے دعوت تھی چیانگ نے ہمیں اپنی ادارت میں نکلنے والا دوماہی ادبی رسالہ بھی دیا جس کی طباعت وغیرہ بہت ہی اعلیٰ درجے کی تھی ایک بڑی سی گول میز کے گرد بیٹھ کر حسب معمول سب سے پہلے رسمی باتوں کا دور چلا دونوں ملکوں کی دوستی' باہمی بھائی چارے اور خیر سگالی کی باتیں کی گئیں اس کے بعد ریستوران کے شیشوں سے نظر آتے ہوئے جھیل کے خوبصورت منظر کا ذکر چھڑ گیا معلوم ہوا کہ جھیل پورے چین میں ہانگ چو کا نشان افتخار سمجھی جاتی ہے۔ اس کے سلسلے میں مختلف روایتیں ہیں اور بہت سے شاعروں نے اس کی خوبصورتی پر نظمیں لکھی ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جھیل ایک داستانوی عورت کے حسن کے حوالے سے بھی مشہور ہے جو اس جھیل کی صورت میں مجسم ہوگئی ہے۔

کھانے میں ایک بہت مزیدار ڈش تھی جس کا نام ''فقیر کی مرغی'' تھا جس کی وجہ تسمیہ آخر تک معلوم نہ ہو سکی ناریل کا رس پیتے اور کیشونٹ کھاتے ہوئے میرے ذہن میں ایک نظم کی لائنیں انگڑائیاں لینے لگیں میں نے سب سے نظر بچا کر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر ان لائنوں کو منتقل کرنا شروع کیا تقریباً آدھے گھنٹے میں نظم مکمل ہوگئی۔ یہ اور بات ہے کہ اس دوران کھانے کے بہت سے کورسز کے آنے جانے کا مجھے علم نہ ہو سکا۔ نظم ابھی نیم پختہ حالت میں تھی پھر بھی احباب نے بہت پسند کی' رات بہت دیر تک میں اس پر کام کرتا رہا۔

ایک بند کا اضافہ کیا اور لائنوں کی نوک پلک درست کر کے اگلی صبح مکمل نظم چینی ترجمے کے لئے تھا تھا تنگ کے حوالے کی اور اس کے بعد دوستوں کی فرمائش پر سب کو اس کی ایک ایک کاپی دی بعد میں یہ نظم اور اس کا ترجمہ کئی موقعوں پر پڑھا گیا۔

◆◆◆

شنگھائی

چین کے عوامی جمہوریہ بننے سے پہلے اور دو عظیم جنگوں کے دوران شنگھائی کی بندرگاہ فوجیوں میں بہت مقبول تھی یوں تو سارے ہی ساحلی شہر فوجیوں اور سیاحوں کے پسندیدہ ہوتے ہیں کہ یہاں پر مشقت اور طویل سفر کے بعد انہیں آرام کا موقعہ ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ طوائفوں کے اڈے ساحلی شہروں میں ہی پائے جاتے ہیں جوا خانے اور شراب خانے اس تکون کے باقی دو زاویے ہیں دوسری جنگ عظیم کے دوران بنکاک' سنگاپور' ہانگ کانگ اور شنگھائی میں جنوب مشرقی ایشیاء کا سارا حسن سمٹ آیا تھا اور ان شہروں کے کلچر میں شرم وحیا اور اخلاقی اقدار جیسی کسی چیز کا وجود باقی نہیں رہا تھا ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف شنگھائی شہر میں تقریباً دو لاکھ خواتین دنیا کے اس قدیم ترین پیشے سے منسلک تھیں۔

چینی معاشرے سے دیگر سماجی برائیوں کے خاتمے کے ساتھ ساتھ شنگھائی شہر میں عصمت فروشی کا انسداد چینی انقلاب کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے' ماؤزے تنگ اور اس کے ساتھیوں نے جس طرح اس بدنام ساحلی شہر کو ایک عظیم صنعتی علاقے میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج سوا کروڑ سے زائد آبادی والے اس شہر کو نہ صرف چین کا سب بڑا صنعتی مرکز ہونے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ عالمی نقشے میں بھی اسے ایک اہم مقام حاصل ہو گیا ہے۔

ہانگ چو سے شنگھائی تک کا سفر بذریعہ ریل تھا' ریل کا سفر ہمیشہ مجھے بہت Haunt کرتا ہے زندگی کی تیز رفتاری' وقت کی کمی' فاصلوں کی زیادتی اور ہماری ریلوے کی ناقص کارکردگی کے باعث اگرچہ اب اس کا بہت کم موقعہ ملتا ہے لیکن جب بھی کوئی ایسی صورت نکلے مجھے بہت خوشی ہوتی ہے کیونکہ ریل کے سفر کا سا ماحول کسی اور ذریعہ سفر میں نصیب نہیں ہوتا اس میں نہ ہوائی سفر کے Jet Lags ہیں نہ بحری سفر کی متلی اور سمندر کی دہشت اور نہ ہی سڑک کے سفر کی مستقل Tension ریل کی مخصوص آواز' گزرتے ہوئے مناظر' چھوٹے چھوٹے سٹیشن اور پلیٹ فارموں کی گہما گہمی کا ایک اپنا ہی لطف ہے جو بیان سے زیادہ محسوس کرنے کی چیز ہے۔

وفد کے باقی ارکان بھی اس تبدیلی سے بہت خوش تھے اس بہانے چین کے مناظر کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔ منیر نیازی بہت زیادہ Excited تھے اور بار بار اپنے آبائی شہر خانپور کے حوالے سے اپنی نوجوانی کے دنوں کے ریل کے سفر یاد کر

رہے تھے۔ ان کے خیال میں جنگلوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ریل میں بارش کے دوران سفر کرنا زندگی کی بہترین خوشیوں میں سے ایک تھا' ریل کا ذکر ان کی ابتدائی شاعری میں بھی خاصے تواتر سے آیا ہے ایک شعر تو بہت ہی مشہور ہے

آخر شب کی ہوا میں درد تھا کتنا منیر
ریل کی سیٹی بجی تو دل لہو سے بھر گیا

میرے پہلے شعری مجموعے "برزخ" میں بھی ریل کے سفر کے حوالے سے ایک پوری نظم ہے۔ ریل ملاپ اور جدائی کے ایک استعارے کے طور پر ہماری جدید لوک شاعری میں بھی ایک اہم کرداری شکل میں سامنے آئی ہے۔

"گڈی آ گئی ٹیشن تے"

اور

"گڈی آئی گڈی آئی ناروال دی
عاشقاں دے سینے وچ اگ بال دی"

لوک شاعری سے ہوتی ہوئی بات فلم کے میڈیم تک پہنچ گئی اور یہ خوشگوار اور حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ دنیا کی اکثر بڑی بڑی اور غیر معمولی فلموں میں ریل اور اس کے متعلقات کو بہت کثرت سے استعمال کیا گیا ہے اور بے شمار کہانیوں کے کلائمکس میں ریل یا پلیٹ فارم کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال میرے دوست اور مشہور بھارتی فلم رائٹر اور ڈائریکٹر گلزار کی فلم "اجازت" ہے جو پوری کی پوری ایک ویٹنگ روم کے گرد گھومتی ہے۔

ہوٹل سے روانگی کا وقت صبح چھ بجے تھا۔ منیر نیازی حسب معمول سب سے آخر میں آئے بلکہ لائے گئے معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں ہم لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔

کیوں کر رہے تھے اسکا جواب نہ ان کے پاس تھا اور نہ ہمارے پاس۔

کوسٹر ہانگ چو کی سڑکوں پر رواں تھا فضا میں ابھی طلوع سحر کی مخصوص تازگی موجود تھی۔ سڑک کے دونوں طرف فٹ پاتھوں' ملحقہ گھاس کے قطعوں' کھلی جگہوں اور جھیل کے کنارے ہر جگہ ہر عمر کے چینی مرد و زن' مختلف طرح کی ورزشوں میں مصروف تھے زیادہ تر لوگ گروپ کی شکل میں ورزش کر رہے تھے لیکن اس ورزش میں نہ تو ہمارے دیسی پہلوانوں والی سختی تھی اور نہ یورپی انداز کی مخصوص تیزی اور پھرتی یہ ورزشیں بڑی ہموار' سبک رفتار اور منظم تھیں بالکل ایسے جیسے ہلکی موسیقی کے ساتھ کوئی جمناسٹک اپنے جسم کی

لچک کا مظاہرہ کر رہا ہو' مختلف عمروں کے لوگ اپنے اپنے گروپس میں یا ذاتی سطح پر ایسی ورزشیں کر رہے تھے جو ان کی عمر کے لئے موزوں اور مناسب تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری قوم کو فٹنس کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ اب ہماری سمجھ میں آیا کہ چینی لوگوں میں فربہی کا تناسب اتنا کم کیوں ہے۔

کہیں کہیں کچھ لوگ یوگا اور تلوار بازی کی مشق کرتے بھی نظر آئے۔ یہ سارا منظر ایسا دلچسپ اور خیال انگیز تھا کہ گفتگو اپنی قوم کی بے جہتی سے ہوتی ہوئی اردو شاعری میں تلوار سے متعلق مضامین تک پہنچ گئی' لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں' تک تو معاملہ قابو میں رہا مگر جب ''مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی'' کا مرحلہ آیا تو اجمل خٹک نے اپنی قائدانہ حیثیت استعمال کرتے ہوئے مزید تفصیلات سے گریز کا حکم دے دیا جو کہ انتہائی صحیح اور بروقت تھا۔

ریلوے سٹیشن ایک پر ہجوم سڑک پر کچھ اس طرح واقع تھا کہ اس پر ریلوے سٹیشن کے علاوہ اور کسی بھی چیز کا گمان ہو سکتا تھا۔ ہم سب لوگ سامان سے لدے پھندے تھے اور قلمی نما کسی مخلوق کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ چنگیز خاں جونیئر اور اس کے ساتھیوں نے ہمارا بیشتر سامان اٹھا لیا مگر معاملہ ''بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے'' والا تھا چنانچہ جب ہم لشٹم پشٹم ویٹنگ روم تک پہنچے تو معلوم ہوا کہ منیر نیازی نے اپنا سامان ایک چینی میزبان کو اٹھوا دیا تھا اور اس میزبان کا بیگ اس سے لے کر کسی اور کے حوالے کر دیا تھا جس کا اب کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ نیازی صاحب کا موقف یہ تھا کہ اگر وہ آدمی ہمارے ساتھ نہیں تھا تو اس نے ان سے بیگ لیا ہی کیوں؟

تھوڑی دیر بعد وہ ''نامعلوم اجنبی'' ہمیں ڈھونڈتا ہوا خود ہی ویٹنگ روم میں آ گیا' اس کا یہ عمل چینیوں کی پاکستان سے محبت اور مہمان داری کا ایک پرخلوص اور بے لوث مظاہرہ تھا۔ ہم نے ترجمان کی معرفت اس کا شکریہ ادا کرنا چاہا مگر وہ الٹا معذرت کرنے لگا کہ بھیڑ میں ہم سے بچھڑ جانے کی وجہ سے اس کو تاخیر ہو گئی جس کے لئے وہ بے حد شرمندہ ہے۔

ہماری ٹکٹیں فرسٹ کلاس یا یوں سمجھئے کہ ریل کار کی اے سی کلاس کی تھیں' گویا تمام تر اشتراکیت کے باوجود کلاس سسٹم کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ ہمارے ویٹنگ روم کے دروازے پر لکھی انگریزی عبارت بہت دلچسپ تھی' لکھا تھا۔

Soft Seat Waiting Room

ٹرین خاصی آرام دہ تھی لیکن ہمارے بڑے بڑے بکسوں نے ڈبے کے حالات خاصے تبدیل کر دیئے تھے خاص طور پر اکادمی ادبیات کا ٹین کا بکسہ کہیں فٹ ہو کے نہیں دے رہا تھا چنانچہ کوئی بھی شخص اس سے ٹکرائے بنا ہمارے قریب سے نہیں گزر سکتا تھا یوں تو اس اول جلول بکسے کی وجہ سے عزیز بگٹی کو سارے سفر میں ہی پریشانی اٹھانی پڑی لیکن ہانگ چو سے شنگھائی تک کے تین گھنٹوں کا یہ

مرحلہ سب سے نمبر لے گیا۔ مجموعی طور پر اس بکسے کے حملوں سے آٹھ گھٹنے زخمی ہوئے اور کم وبیش اتنی ہی پتلونوں کو رفوگری کی ضرورت لاحق ہوئی۔ شروع شروع میں تو عزیز بگتی نے مجروحین سے معذرت کے لئے سوری کہا پھر ایک شرمندہ سی مسکراہٹ سے کام لینے کی کوشش کی اور اسکے بعد مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

ٹرین شنگھائی کے مضافات میں داخل ہوئی تو بہت دیر تک ہمیں پتہ ہی نہیں چلا کیونکہ سارے راستے میں جہاں جہاں کھیت نہیں تھے وہاں اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی آبادیاں تھیں جن میں ایک سے تین منزلہ تک کے سیدھے سادے پختہ مکان تھے۔ تقریباً دس میل کے بعد لینڈ سکیپ میں ایک واضح تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی اور فاصلے پر گنجان آبادی اور بلند و بالا بلڈنگیں نظر آنے لگیں۔ شنگھائی پہلی نظر میں پرانے کراچی سے ملتا جلتا لگا یہاں بھی مقامی میزبان ایک کوسٹر سمیت ہمارے منتظر تھے۔ انہوں نے شنگھائی کے بارے میں کچھ لٹریچر دیا اور ہوا (Hua) نامی ایک دبلی پتلی لڑکی نے انگریزی میں ہمیں شہر کے بارے میں بنیادی معلومات ایک ٹورسٹ گائیڈ کی طرح دینا شروع کیں جن میں زیادہ زور اعداد و شمار پر تھا ہماری رہائش کا انتظام Jing Jiang ہوٹل میں تھا جو چار عمارات پر مشتمل ایک وسیع و عریض کمپلیکس تھا۔ ہماری والی بلڈنگ کا نام New south Building تھا اور ہمارے کمرے چوتھی منزل پر تھے۔ استقبالیہ عملے نے فارم وغیرہ بھروانے کے بعد ہمیں چابیوں کے ساتھ ایک ایک مقامی پاسپورٹ بھی دیا جس میں ہوٹل کے متعلق تمام تفصیلات درج تھیں اور ساتھ ہی یہ ہدایات بھی تھی کہ اگر آپ کہیں کھو جائیں یا راستہ بھول جائیں تو کسی کو بھی یہ پاسپورٹ دکھادیں آپ کو ہوٹل تک پہنچا دیا جائے گا۔ فرمان صاحب نے کہا بھئی یہ تو کچھ کچھ معذور لوگوں کے گلے میں ڈالنے والا کارڈ ہو گیا' اب ہم ایسے بھی گئے گزرے نہیں کہ اپنا مدعا بھی بیان نہ کر سکیں۔ تھانگ نے جو اس دورمیں جمعے کی نماز کے لئے مسجد اور نماز کے وقت کا پتہ کر رہا تھا' مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

''اس پاسپورٹ کا استعمال لازمی نہیں اختیاری ہے' آپ اسے یادگار کے طور پر رکھ لیں ہم آپ کو گم ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔''

دوپہر کے کھانے پر شنگھائی کے ادیبوں کی یونین کے وائس چیئرمین نے ہوا کے ذریعے اطلاع دی کہ مسجد کا پتہ چلا لیا گیا ہے اور نماز تین بجے ہوگی طے پایا کہ سب لوگ دو بج کر بیس منٹ پر لابی میں جمع ہو جائیں تا کہ وقت پر مسجد پہنچ جائیں' نسبتاً تنگ بازاروں سے ہوتا ہوا ہمارا کوسٹر ایک چوڑی مگر بند گلی میں داخل ہوا جس کے آخر میں ایک حویلی نما عمارت تھی جس کی پیشانی پر 1343 درج تھا عمارت کی ظاہری حالت خاصی پتلی تھی ایک احاطے جیسے صحن کے چاروں جانب کچھ کمرے اور دفاتر تھے مسجد دوسری منزل پر واقع تھی

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ایک دم دس بارہ لوگ جمع ہو گئے معلوم ہوا یہ سب چینی مسلمان ہیں جن میں سے کچھ یہیں رہتے ہیں اور باقی نماز کے بعد واپسی کے لئے تیار ہو رہے تھے کیونکہ تین بجے نماز کا نہیں مسجد کے بند ہونے کا وقت تھا یہ مسجد 1917ء کے لگ بھگ تعمیر ہوئی تھی یعنی پیشانی پر ہجری 1343 درج تھا وہ لوگ ہمیں دیکھ کر بے انتہا خوش تھے ان کے بوڑھے پوپلے چہروں اور بجھی ہوئی آنکھوں میں جیسے چراغ سے جلنے لگے ایک قدرے جوان العمر آدمی نے بتایا کہ وہ پیشے کے اعتبار سے انجینئر ہے لیکن مذہب سے دلچسپی کے باعث مسجد کی انتظامی کمیٹی کا ممبر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نوجوانوں میں اسلام کی درس وتدریس کا کام بھی کرتا ہے۔

ان لوگوں نے ہمیں اپنے اسلامی نام بتائے جو عربی طرز پر رکھے ہوئے تھے۔ مثلاً ابراہیم' ابویحییٰ' عمر ابو ہاشم حسن ان سے پتہ چلا کہ اس وقت شنگھائی میں چھ مسجدیں ہیں اور یہاں کی مسلمان برادری مختصر ہونے کے باوجود خاصی منضبط ہے ہمارے لئے مسجد کھلوائی گئی اجمل خٹک نے امامت کی سب نے مخصوص انداز کی گول سفید ٹوپیاں پہن کر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد ہم خاصی دیر تک اسی حال میں بیٹھے رہے دل و دماغ میں سینکڑوں سوال گردش کر رہے تھے۔ ایک طرف دنیا کے اس دور دراز حصے میں مذہب حق کی موجودگی کی خوشی تھی تو دوسری طرف یہ تکلیف دہ احساس تھا کہ عالم اسلام میں اتنی دولت ہونے کے باوجود مسلمانوں کی اجتماعی حالت ہر جگہ دگر گوں ہے خصوصاً غیر مسلم ممالک میں وہ ایک پسماندہ اقلیت کے سوا کچھ نہیں ہیں مذہب کی اصل روح شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتی ہے اور وہ اسلامی مساوات جو نسل آدم کو اس مذہب کا سب سے خوبصورت تحفہ تھا عملی شکل میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

سب نے مسجد کے لئے حسب توفیق چندہ دیا وہاں موجود چینی مسلمان دوستوں نے پرجوش مصافحوں اور نیک تمناؤں کے گلدستے ایک دوسرے کو پیش کئے۔ ہوٹل تک واپسی کے سفر میں گفتگو کا موضوع چینی مسلمانوں کے حوالے سے ملت اسلامیہ کا اتحاد رہا اور یہ افسوسناک صورتحال کھل کر سامنے آئی کہ کرہ ارض پر آزاد مسلم ممالک تاریخی' جغرافیائی' سماجی طبقاتی اور فرقہ وارانہ مسائل میں اس بری طرح سے الجھا دیئے گئے ہیں کہ ان کے اندرونی سطح پر استحکام پیدا ہی نہیں ہو رہا جس کے باعث ہم بین الاقوامی سطح پر اپنے لئے کوئی اجتماعی رخ متعین نہیں کر پائے اور ایک ہزیمت خوردہ منتشر گروہ کی طرح مختلف پناہ گاہوں میں چھپتے پھر رہے ہیں کوئی مضبوط مرکز نہ ہونے کی وجہ سے چین' جاپان' روس' یورپ اور مختلف سمندروں میں پھیلے ہوئے جزائر کی مسلم آبادی اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بے خبر اپنے اپنے عہد زوال میں آہستہ آہستہ تحلیل ہوتی جا رہی ہے دھیان کی سکرین پر بیس برس پہلے کہی ہوئی ایک نظم کی لائنیں روشن ہونے لگیں جس کا موضوع یہی اتحاد بین الملی کا خواب اور اس کی عملی صورت حال تھی نظم کا عنوان تھا ''گمشدہ عکس''

کون ہیں یہ جو مٹھیاں اپنی
کھوٹے سکوں سے بھر کے لائے ہیں
آنکھ کے بے وقار دامن میں
کون ہیں یہ جو لے کے آئے ہیں
بے ثمر خواب بے ہنر آنسو
بے جہت پاؤں مضمحل بازو
اک ارب لوگ ہیں کہ سائے ہیں

اتنے پتھر اگر بہم ہو جائیں
رفعت کوہ آسمان لگے
اتنے ذرے اگر ہوں جمع کہیں
وسعت دشت بے نشان لگے

اتنے تارے اگر چمکتے ہوں
ظرف خورشید اک چراغ لگے
اتنے غنچے اگر مہکتے ہوں
موسم زرد بے سراغ لگے

کون ہیں یہ جو رات دن اپنی
گمشدہ بستیوں کے ملبے سے
بے عمل خواہشیں اٹھاتے ہیں

کون ہیں یہ جو چیونٹیوں کی طرح
ٹوٹی قبروں میں گھر بناتے ہیں
کون ہیں یہ جو میرے چار طرف
چلتے پھرتے آتے جاتے ہیں

میں نے دیکھا تو جتنے چہرے تھے
ہو بہو نین نقش چہرے تھے

انسانی ذہن کی تعمیر بھی قدرت نے کسی بہت عجیب مواد سے کی ہے کہ ایک پل میں اس کے خیالات کا دھارا ایسی تیزی سے بدلتا ہے جیسے پچھلا منظر کبھی دیکھا ہی نہ تھا' قبرستان میں کسی عزیز کو سپردخاک کرتے وقت دنیا کی بے ثباتی کا کیا کیا احساس روح پر طاری ہوتا ہے مگر اس ماحول سے نکلتے ہی زندگی پھر اس طرح سے گھیر لیتی ہے کہ اللہ اللہ۔ سو یہاں بھی یہی ہوا دو گھنٹے بعد میں بروہی صاحب کے ساتھ ہوٹل سے ملحق بازار میں بڑے مزے سے گھومتے ہوئے انہیں یہ بتا رہا تھا کہ وارث شاہ نے ہیر کا سراپا بیان کرتے ہوئے چینی عورت کی کن کن خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

بروہی صاحب نے ایک کھوکھا نما دکان سے اپنے لئے ایک پتلون خریدی جو بہت اچھی اور انتہائی سستی تھی' معلوم ہوا کہ یہاں بھی یورپ کی طرح دکان دار اپنی مرضی کی قیمت رکھتے ہیں جو چیز ایک بڑے سٹور میں تین سو روپے کی ہے باہر سڑک پر دو سو روپے میں مل جاتی ہے' یوں تو ہر سٹور پر ہی ہمارا استقبال معمول کی کاروباری مسکراہٹوں سے ہوتا تھا لیکن جب انہیں پتہ چلتا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں تو وہ مسکراہٹ ان کی آنکھوں میں اتر آتی تھی اور چونکہ وہاں سیلز کا نوے فیصد کام خواتین کرتی ہیں اس لئے بار بار کچھ ایسی فضا بن رہی تھی کہ تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے۔

ایک بی بی نے جو ہر اعتبار سے بہت خوش شکل تھی شاید تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ ہمیں بغیر کچھ خریدے نہیں جانے دے گی۔ چنانچہ اس نے ہمیں اشاروں ہی اشاروں میں پورے سٹور میں موجود ہر قابل ذکر چیز دکھا دی بروہی صاحب اس کی چلت پھرت سے ایسے متاثر ہوئے کہ ایک میک اپ باکس تک خریدنے کو تیار ہو گئے میں نے بڑی مشکلوں سے انہیں یاد دلایا کہ یہ شاپنگ ہمیں بیجنگ میں کرنی ہے' بولے۔

"بھئی کچھ نہ کچھ تو خریدنا ہی پڑے گا دیکھو نا یہ کتنے بیوٹی فل طریقے سے ہمیں آمادہ کر رہی ہے۔

بالآخر یہ طے پایا کہ خشک پھلوں والے کاؤنٹر سے پستہ وغیرہ خرید لیا جائے تاکہ اس حسینہ کی ساری محنت اور ہمارے زیادہ دیوان ضائع نہ ہوں۔

ٹی وی کے کسی چینل پر نارمن وزڈم کی فلم TheEarly Bird چل رہی تھی۔ نارمن وزڈم ایسا سدا بہار مسخرا ہے کہ میرے والد' میں خود اور میرا بیٹا علی ذیشان تینوں نسلیں اس کے مداحین میں شامل ہیں یکدم مجھے علی کے وہ بے ساختہ قہقہے سنائی دینے لگے جو اس فلم کو دیکھتے ہوئے اس کے حلق سے نکلتے اور پورے گھر کو گلزار کر دیتے ہیں۔ میرا دل ایک دم بوجھل سا ہو گیا اور وہی چند پرانے سوال پھر سے دامن گیر ہونے لگے کہ گھر سے ہزاروں میل دور ایک اجنبی شہر کے اس نامانوس سے کمرے میں' میں کیا کر رہا ہوں؟ اس جہاں گردی کا مقصد کیا ہے یہ جو میں ہر سال تین چار بار پردیس کو نکل جاتا ہوں اور نئے نئے لوگوں سے ملنے اور اجنبی منظروں کو دیکھنے کے بعد کسی سرد بستر پر رات گئے تک کروٹیں بدلتا رہتا ہوں' اس کا حاصل کیا ہے کیا یہ مشاعرہ بازی سچ مچ شہرت کی ہوس اور چند سکوں کی یافت کے لئے ہے جس کا ذکر "مہربانوں" کا گروہ اٹھتے بیٹھتے کرتا رہتا ہے کیا یہ۔۔۔۔۔ کیا یہ سوال ہتھوڑوں کی طرح میرے ذہن پر برس رہے تھے کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی' دوسری طرف سے بروہی صاحب کی مانوس شفیق آواز سنائی دی۔ "چائے تیار ہے بھائی آ جاؤ"

بروہی صاحب کے کمرے میں اجمل خٹک اور منیر نیازی کے علاوہ سب احباب جمع تھے۔ خٹک صاحب کی غیر حاضری کی وجہ ان کی جلدی سونے کی عادت تھی جبکہ منیر نیازی کو تنہا جاگنے کا شوق ہے۔

عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا

چائے کے دور سے پہلے گفتگو کا دور چل رہا تھا موضوع زیر بحث یہ تھا کہ مختلف مذاہب اور عقائد میں مردے کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا جاتا ہے اور ہر طریقے کے پیچھے کیا فلسفہ کارفرما ہے بہت سی نئی باتوں کا پتہ چلا کہ لیکن آخری نتیجہ یہی نکلا کہ بہترین طریقہ ہر اعتبار سے مردے کو زمین میں دفنانا ہے باتوں باتوں میں بروہی صاحب نے ایک بہت کمال کا جملہ کہا بولے۔

"ہندو مذہب دراصل اپنے سے پہلے مٹنے والی تمام تہذیبوں کا قبرستان ہے' اب جو مذاہب کے تقابلی مطالعے کا سلسلہ چلا تو دیرو حرم کے آئینہ تکرار تمنا میں واماندگی شوق نے وہ وہ پناہیں تراشیں کہ الامان والحفیظ......

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

صبح ناشتے کی میز پر اجمل خٹک سی این این پر روس کی صورت حال کی تازہ ترین رپورٹ دیکھ کر آئے تھے معلوم ہوا کہ آذر بائیجان کے اعلان آزادی کے بعد اب گورباچوف نے اپنی ہی کابینہ عدم اعتماد کا اظہار کر دیا ہے اور بورس یلسن کی مقبولیت کا گراف بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے روس کا موجودہ ڈھانچہ کسی بہت بڑی تبدیلی سے دوچار ہونے والا ہے عین ممکن ہے کہ اب سوویت یونین کی جگہ کوئی نئی کنفیڈریشن لے لے' جس میں مختلف ریاستیں اپنی علاقائی اور داخلی خود مختاری کے لیے زیادہ سے زیادہ تقاضا کریں۔

خٹک صاحب کی عام گفتگو میں ''بدلتی ہوئی دنیا کی صورتحال'' ایک ایسا جملہ تھا جسے وہ بہت زیادہ استعمال کرتے تھے روس کے بارے میں اس خبر کے تناظر میں ان کا یہ جملہ بے حدفٹ بیٹھ رہا تھا لیکن حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے ایک بار بھی اسے استعمال نہیں کیا بروہی صاحب کے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تصور حقیقت بن جائے تو بہت سے لفظ اپنے معنی کھو دیتے ہیں۔

خٹک صاحب کے خیال میں روسی نظام کی یہ تبدیلی پنجرے سے نکل کر باغیچے میں آنے کا عمل ہے۔ وہ چونکہ اپنی جلاوطنی کے زمانے میں روس اور اس کے نظام کو بہت قریب سے دیکھ چکے تھے اس لئے سب نے ان کی باتوں کو بہت غور سے سنا۔ انہوں نے افغانستان کے قبائل نظام اور وہاں پر جاری کشمکش کے بارے میں بھی بہت سی ایسی باتیں بتائیں جو کم از کم میرے لئے نئی تھیں۔

مترجم لڑکی ہوا' جس کا پورا نام Hue Pie Hua تھا' کے آنے سے تھانگ کو کافی آسانی ہو گئی تھی چنانچہ یہ پہلا موقع تھا جب وہ ناشتے کے کمرے میں ہم سے بعد پہنچا اس کی سب سے زیادہ خوشی منیر نیازی کو ہوئی کیونکہ اس سے پہلے سب سے آخر میں آنے کا اعزاز ہمیشہ انہیں کو ملا کرتا تھا اور ظاہر ہے یہ کوئی ایسا اچھا اعزاز نہیں تھا' نیازی صاحب لوگوں کی مخصوص عادات کو بہت جلد نوٹ کرنے کی ایک خاص صلاحیت رکھتے ہیں آج خلاف معمول ان کا موڈ بہت اچھا تھا اور طبیعت رواں تھی سو پہلے تو انہوں نے تھانگ پر دو تین بہت دلچسپ جملے کسے اور پھر روئے سخن نواز طارق کی طرف کر لیا اور تھوڑی دیر میں محفل کا رنگ پکنک پر آئے ہوئے سکول کے بچوں جیسا ہو گیا۔ ہوٹل کا عملہ حیران کن تھا کہ یہ کیسا سرکاری وفد ہے جس کے لوگ نہ صرف ہنستے بلکہ باقاعدہ زور زور سے قہقہے بھی لگاتے ہیں۔

آج کا دن شنگھائی سٹیل فیکٹری کے دورے کے لیے مخصوص تھا ہمارے ہوٹل سے فیکٹری تک کی سوا گھنٹے کی ڈرائیو کے دوران ہوا

نے اعداد وشمار کے حوالے سے اس منصوبے کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں لیکن جب ہم فیکٹری ایریا میں داخل ہوئے اور پھر کئی میل تک ہوتے ہی چلے گئے تب پتہ چلا کہ فارسی میں جو "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کہتے ہیں تو اس کا مطلب کیا ہے کم وبیش سترہ میل میں پھیلا ہوا یہ صنعت زار آج سے تیرہ برس قبل بننا شروع ہوا تھا پہلا مرحلہ جرمنی اور جاپان کی ٹیکنالوجی کی مدد سے چھ سال میں مکمل ہوا اور یہاں پروڈکشن شروع ہوگئی جبکہ دوسرا مرحلہ خالصتاً چینی ٹیکنالوجی کے ساتھ بغیر کسی غیر ملکی تعاون کے اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں تھا اور جون 92ء میں اسے پروڈکشن کا آغاز کرنا تھا۔ یہ فیکٹری جسے ایک عظیم صنعتی منصوبہ کہنا چاہیے۔ دریائے یانگ سی کے کنارے تعمیر کی گئی ہے اس جگہ پر دریا کا پاٹ بہت چوڑا ہے چنانچہ یہاں سمندری بندرگاہوں جیسی بڑی بڑی ہیٹیاں ہیں۔ جہاں بہت بڑی مقدار میں بحری جہازوں کے ذریعے خام لوہا آسٹریلیا اور کوئلہ چین کے مختلف علاقوں سے لایا جاتا ہے۔ خام مال کو جہازوں سے اتارنے سے لے کر فیکٹری کے مختلف حصوں تک پہنچانے اور پھر اسے مختلف مرحلوں سے گزار کر سٹیل کی شکل میں لانے کا سارا کام خودکار مشینوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ہمیں ہیلمٹ پہنا کر ایک ایسے وسیع وعریض ہال میں لے جایا گیا جس کی لمبائی کم ازکم چھ فرلانگ تھی۔ اقبال نے انگور کی بیل سے شراب کی تیاری تک کے جو مراحل اس شعر میں بیان کئے ہیں۔

مقام بست و شکست و فشار و سوز و کشید
میان قطرہ نیساں و آتش عنب

تو یہاں بھی کچھ ایسا ہی منظر تھا بڑی بڑی دیوہیکل مشینیں ایک ترتیب کے ساتھ دور تک لگی ہوئی تھیں سب سے پہلے لوہے کو پگھلایا جاتا تھا پھر یہ مختلف مشینوں اور پراسیس سے گزرتا ہوا ٹھنڈا ہو کر سٹیل کی ایک بہت موٹی چادر کی شکل اختیار کرتا تھا اس کے بعد مختلف سائزوں میں اس کے ٹکڑے کئے جاتے تھے اور پھر اسے کاٹ کر اس سے مختلف سائز اور وہازت کی سٹیل شیٹس بنائی جاتی تھیں۔ جنہیں ایک مشین بڑے بڑے رولز کی شکل میں ایک جگہ جمع کرتی جا رہی تھی۔ اس بارے عمل میں براہ راست انسانی ہاتھ صرف آخر میں استعمال ہوتا تھا یعنی ایک آدمی ان رولز پر نمبر لگاتا جا رہا تھا۔ پورے ہال میں جگہ جگہ آپریٹنگ روم بنے ہوئے تھے جن میں اکا دکا لوگ بھی دکھائی دے رہے تھے مگر آواز صرف مشینوں کی سنائی دیتی تھی۔ فیکٹری کے انچارج نے ہمیں اس منصوبے کے جو اعداد وشمار بتائے ان کے مطابق یہاں کل بتیس ہزار ورکر کام کرتے تھے جن کے لئے 38 میس بنائے گئے تھے اس کے اندر سکول' کالج' تفریح گاہیں' سوئمنگ پول' سپورٹس اور ریکریشن سنٹرز کا ایک مکمل نظام کام کر رہا تھا۔ فی الوقت فیکٹری کی فولاد کی پیداوار چھ لاکھ ٹن سالانہ تھی اور اس میں روزانہ دو لاکھ ٹن پانی استعمال ہوتا تھا ملکی و غیر ملکی مہمانوں اور ماہرین کے لئے فیکٹری کا اپنا ہوٹل تھا جس

میں 903 کمرے تھے ایک عام مزدور کو سال کے تقریباً چار ہزار یوان (بیس ہزار پاکستانی) ملتے ہیں مگر سہولیات اتنی ہیں کہ اس رقم میں اس کا بخوبی گزارہ ہو جاتا ہے۔ مزدور کی کم از کم تعلیمی قابلیت مڈل ہے لیکن اسے مزید تعلیم کے لئے ملازمت کے دوران بے شمار مواقع فراہم کئے جاتے ہیں بہتر کارکردگی دکھانے والوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ملکی یونیورسٹیوں کے علاوہ بیرون ملک بھی بھجوایا جاتا ہے۔ اسے ڈسپلن کہئے یا ان لوگوں کی اپنے کام سے وفاداری کہ ہمیں وہاں کوئی آدمی بیکار بیٹھا یا پھرتا نظر نہیں آیا۔

بریفنگ اور فیکٹری کے معائنے کے دوران سے لے کر لنچ تک ہماری میزبان فیکٹری کی انتظامیہ تھی جس میں مزدور یونین کا صدر بھی شامل تھا لیکن دوپہر کے کھانے کے بعد ہم مکمل طور پر یونین کے مہمان تھے۔ یونین کی عمارت کسی صورت بھی انتظامیہ کی عمارت سے کم نہیں تھی ہمیں بتایا گیا کہ یونین کے زیرانتظام فیکٹری کا ایک اپنا روزنامہ نکلتا ہے اس فیکٹری کے حوالے سے اب تک تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ فیکٹری کے بارے میں مزدوروں اور دوسرے لوگوں کی شاعری پر مشتمل ایک مجموعہ بھی چھپ چکا ہے۔ ان سب کتابوں کی ایک ایک کاپی ہمیں دی گئی۔ اس کے بعد ویڈیو پر فیکٹری کے مختلف شعبوں کے بارے میں ایک فلم دکھائی گئی جس کا ایک بہت دلچسپ سین فیکٹری ملازمین کے چھ سال کی عمر کے بچوں کے درمیان ٹائپنگ سپیڈ کا مقابلہ تھا جس تیزی انہماک اور مہارت سے ان ننھے بچوں نے ٹائپ مشین پر انگلیاں چلائیں اس کے لئے کم سے کم تعریفی لفظ لاجواب ہو سکتا ہے مزدوروں کی حالت اور ان کا لٹریچر دیکھ کر پتہ چلا کہ یہاں مشین کی خدمت پر کم اور انسان کی خدمت پر زیادہ لوگ متعین ہیں۔

فیکٹری انچارج تان چن شی نے بڑا عمدہ لنچ کھلایا تھا لیکن مزدور لیڈر ہانگ اور اس کے ساتھ مصر تھے کہ ہم ان کی مہمان نوازی کا بھی لطف اٹھائیں ان کے دسترخوان کو دیکھ کر غالب کے ایک شعر کی پیروڈی کچھ اس طرح سے کی گئی۔

اس قدر مختلف جو کھانے تھے
پیٹ بھی مختلف دیئے ہوتے

یہاں گفتگو کے دوران پتہ چلا کہ تائیوان کے بانی مشہور چینی لیڈر چیانگ کائی شیک کا اصل تلفظ چیانگ کائی شے ہے اور اس کے آخر میں "ک" نہیں بولا جاتا۔ فرنچ کی طرح چینی زبان میں بھی "خاموش حروف" کے استعمال کا خاصا رواج پایا جاتا ہے۔

فیکٹری کا اپنا مقامی ٹی وی سٹیشن ہے جو مختلف طرح کے پروگرام بناتا ہے اور ٹیلی کاسٹ کرتا ہے کھیلوں کے جمنیزیم جدید ترین سہولیات سے پوری طرح آراستہ ہیں اور ہر عمر کے لوگوں کی تفریح کے لئے مناسب ماحول فراہم کیا گیا ہے۔ ہانگ نے بتایا کہ یہ فیکٹری سہولیات کے اعتبار سے ایک مکمل شہر ہے جس کا انتظام انتظامیہ اور یونین مل کر چلاتے ہیں لیکن اصل طاقت یونین کے پاس

ہے یعنی اس کی مرضی کے خلاف فیکٹری کی پالیسی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ فیکٹری مزدور کے لئے کم سے کم عمر اٹھارہ سال ہے ریٹائرمنٹ کی عمر مردوں کے لئے ساٹھ سال اور عورتوں کے لئے 53 سال ہے لیکن زیادہ سخت جسمانی محنت والے شعبوں میں یہ حد پچاس برس کردی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس فیکٹری سے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے کچھ ماہرین بھی وابستہ ہیں جن میں ''سن لو'' اور ''وانگ شے ہو'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں سوئمنگ پول پر ہماری ملاقات یونین کے ایک اور اہم رکن سے ہوئی جس نے نیکر جرابیں اور سینڈل پہن رکھے تھے مگر اس کی آنکھوں اور چہرے پر وہ بلا کا اعتماد تھا کہ بڑے سے بڑا خوش پوش اسکے سامنے ہی نظر آنے لگے۔ چینی حکومت اپنے نظام اور فلسفے کے ساتھ کتنی کمٹڈ ہے اس کا اندازہ وہاں کی زندگی کے کسی بھی پہلو ہے بہ آسانی کیا جاسکتا ہے مغربی فکر کے حوالے سے اشتراکیت اور اجتماعیت کا یہ ماحول شاید غیر فطری مصنوعی اور انتہا پسندانہ ہو مگر یہ بات اپنی جگہ پر حقیقت ہے کہ چین نے اپنی ایک ارب آبادی کو محدود وسائل کے باوجود بنیادی ضروریات سے بہرہ ور کردیا ہے اپنے وجود پر اعتماد اور افتخار کا یہ رویہ ان کے ہر ہر عمل میں نمایاں ہے چنانچہ وہاں ہمیں بچوں کا ایک گیت سنوایا گیا جس کا مکھڑا یعنی ابتدائی لائن یا شعر کچھ یوں تھا۔

''کمیونسٹ پارٹی نہ ہوتی تو دنیائے چین بھی نہ ہوتا''

واپسی کے سفر میں کوسٹر کا اے سی ٹھیک کام نہیں کر رہا تھا جس کی وجہ سے گاڑی کے اندر گرمی خاصی زیادہ ہوگئی یہاں بھی مرزا غالب کام آئے اور ہم نے اس سچویشن پر ان کی ایک مشہور غزل کی پیروڈی شروع کردی اپنے دو شعر مجھے یاد رہ گئے ہیں جو کچھ یوں تھے۔

تیری گاڑی نہ اگر جلدی سے ٹھنڈی ہو گی
روسٹ ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اب جو انسان سے یہ لوگ نظر آتے ہیں
گھوسٹ ہو جائیں گے یہ تم کو خبر ہونے تک

واپسی پر تھکن کے باوجود حسن ضد کرنے لگا کہ شاپنگ کے لئے بازار کا چکر لگایا جائے پہلے تو سب نے معذرت کی لیکن وہ بروہی اور نواز طائر کو کسی نہ کسی طور منانے میں کامیاب ہوگیا جب یہ لوگ جارہے تھے تو منیر نیازی نے تبصرہ کیا۔

''یہ لوگ انجمن خریداری پسند مصنفین کے بانی رکن ہیں''

شام یارات کو ہمیں شنگھائی کے بازی گروں کے ایک مشہور شو میں لے جایا گیا چینی بازی گروں کے طائفے پاکستان میں آتے رہتے ہیں اور پنجاب آرٹ کونسل کی ملازمت کے دوران مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا لیکن یہ گروپ اپنی مثال آپ تھا جسمانی حرکات پر کنٹرول کہئے یا جمناسٹک کے کرتب ان لوگوں نے واقعی اس فن کو جادوگری کے مقام تک پہنچا دیا ہے۔

ہال میں موجود بیشتر تماشائی غیر چینی تھے ٹکٹ پانچ اور آٹھ یوان اور شو کا دورانیہ تقریباً دو گھنٹے تھا اس دوران میں تقریباً بارہ آئیٹم پیش کئے گئے اور ہر ایک پہلے سے بڑھ کر تھا شروع میں چھوٹے کتوں اور بلوں کے ایک چھ رکنی وفد نے تنظیم' مہارت اور چابکدستی کے ایسے ایسے مظاہرے کئے کہ بے اختیار اشرف المخلوقات کہلانے والوں کو داد دینا پڑی اس کے بعد حضرت انسان کی باری تھی ایک صاحب نے تقریباً ایک فٹ قطر کے دونوں طرف سے کھلے منہ والے ڈرم میں آمدورفت کے وہ کرتب دکھائے کہ اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا' ہاتھی' بندر اور ایک پہیے والی سائیکل پر سولہ سولہ پیالوں کو سر پر رکھ کر سواری کرنے والے کرتبوں کے بعد ایک رومانوی سین پیش کیا گیا جس میں لڑکی نے ایرینے کے عین وسط میں صرف ایک چادر کی آڑ لے کر پانچ پانچ سیکنڈ کے وقفے میں آٹھ مختلف مکمل لباس بدل کر دکھائے یہ ایک انتہائی حیرت انگیز منظر تھا کیونکہ اتنی کم مدت میں تو ہم آپ بوٹوں کے تسمے بھی بند نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد ایک خالی بکس میں سے ایک سالم لڑکی' ایک درمیانے سائز کا کتا' ایک ریڈیو اور ایک عدد ٹیپ ریکارڈر برآمد کر کے دکھائے گئے اور ساتھ ہی ساتھ ریڈیو سے نشر ہونے والی موسیقی بھی سنوائی گئی۔ آخری شو میں تین خونخوار شیروں کے کرتبوں پر مشتمل تھا۔ کرتب تو اپنی جگہ لاجواب تھے ہی لیکن ایک شیر غالباً ہاضمے کی خرابی کا شکار تھا کیونکہ اس نے امریکی سیاحوں کی ایک ٹولی کے عین سامنے رفع حاجت کا مظاہرہ بھی کر دیا' ہمارے ساتھیوں میں سے کچھ کا خیال تھا' اس کی اس حرکت وجہ طبی سے زیادہ سیاسی تھیں۔

یکم ستمبر کا دن سوچو کے لئے وقف تھا ہانگ چو کی طرح سوچو بھی اپنے قدرتی حسن کی وجہ سے سیاحوں کے لئے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اسے باغوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے ایک روایت کے مطابق یہاں تین سو کے قریب باغات ہوا کرتے تھے جو بادشاہوں اور امرء کی ذاتی جاگیروں کا حصہ تھے۔ عوامی حکومت نے آتے ہی ان سب باغات کو سرکاری قبضے میں لے لیا اب صرف چالیس باغ باقی بچے ہیں مگر ان میں سے بھی صرف دس کو عوام کے لئے کھولا گیا ہے۔

شنگھائی سے سوچو تک سڑک کا راستہ دو گھنٹے کا تھا لیکن تمام راستے میں سڑک مختلف جگہ سے مرمت کی جا رہی تھی اس لئے ہمیں تقریباً تین گھنٹے لگ گئے اور اس کا ساتھی میزبان بھی ساتھ تھے چنانچہ تھانگ یہاں بھی مزے میں تھا کہ اس کا سارا بوجھ ان دونوں

نے اٹھالیا تھا' منیر نیازی کے ساتھ تھانگ نے دوستی اور بے تکلفی کا ایک ایسا رشتہ پیدا کر لیا تھا جس پر ہم سب کو حیرت تھی کیونکہ بظاہر دونوں کی طبیعتوں میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔

تھانگ کے بولنے کا انداز تو پر لطف تھا ہی کیونکہ اس کے جملوں کی ترتیب' رموز واوقاف کا استعمال اور مختلف حرفوں پر دباؤں کا ایک اپنا ہی انداز تھا لیکن زیادہ مزیدار بات اس کے جملوں کے ابتدائی حصے ہوتے تھے جن میں وہ ''یہ کہتے ہیں'' ''یہ تو'' ''وہ تو'' اور ''پھر تو'' کا استعمال کرتا تھا ''یہ کہتے ہیں'' کے استعمال کی وجہ سے تو سمجھ میں آتی تھی کہ بطور ترجمان وہ کسی دوسرے شخص کا مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے اس کی نشاندہی کرتا تھا مگر باقی کے ''سابقے'' اس کی اپنی ایجاد تھے مثلاً جب اس نے یہ کہنا ہو کہ ''یہ مزدوروں کے لیڈر ہیں'' تو وہ اسے یوں کہتا تھا۔

''یہ تو مزدوروں کے لیڈر ہیں۔''

یہ تو۔۔۔وہ تو اور پھر تو کے استعمال میں ''تو'' کے بعد وہ ایک ہلکا سا وقفہ بھی دیتا تھا جس سے بعض اوقات پورے جملے کا مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا تھا مثلاً ''یہ اچھی بات ہے'' کو وہ یوں کہتا یہ تو (وقفہ) اچھی بات ہے۔

اب چونکہ تحریر میں ''لہجہ'' بیان نہیں ہو سکتا اس لئے شاید قارئین اس کیفیت کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکیں لیکن یہاں اس کے بیان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ تھانگ کا مخصوص انداز سب سے پہلے نواز طائر نے نوٹ کیا تھا اور انہوں نے ہی سب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی جبکہ سوچو کے اس سفر کے دوران تھانگ نے طائر صاحب کی ایک مخصوص عادت کے بارے میں نیازی صاحب کو بتایا کہ اوران کی وساطت سے یہ بات طاہر صاحب کے علاوہ باقی سب احباب تک پہنچ گئی اور آئندہ کئی دن ہم اس سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ گفتگو کے دوران طائر صاحب کو دوسروں کے جملے کا آخری حصہ دوہرانے کی عادت ہے تھانگ نے اس عمل کا نام ''گنبد کی صدا'' رکھا تھا جو واقعی موزوں ترین تھا' آخر تک یہ نہ کھل سکا کہ اس طرح وہ بات کرنے والے کی تائید کرتے ہیں یا یہ محض ایک طرح کی خود کلامی ہے مثال کے طور پر چند جملے دیکھئے اور یہ ذہن میں رکھئے کہ طائر صاحب یہ جملے ہوا میں بولتے تھے یعنی ان کا کوئی متعین مخاطب نہیں ہوتا تھا۔

بگتی: بھئی یہ سوچو تو لگتا ہے بڑا شہر ہے۔

طائر: بڑا شہر ہے

اجمل خٹک: یہ مچھلی بہت مزیدار ہے۔

طائر: بہت مزیدار ہے۔

بروہی: اس طرح تو بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے۔

طائر: بتنگڑ بن جاتا ہے۔

حسن: میرا خیال ہے شاپنگ پر چلنا چاہیے۔

طائر: شاپنگ پر چلنا چاہیے۔

نیازی صاحب نے تھانگ کو اس مشاہدے پر دل کھول کر داد دی اور اسے اتنے زور سے تھپکا کہ وہ دیر تک اپنا شانہ سہلاتا رہا۔

میرا خیال ہے کہ سوچو کے باغات کے بارے میں ہمارے میزبانوں نے کچھ زیادہ ہی مبالغے سے کام لے لیا تھا اور ہماری توقعات کچھ اتنی بلند کر دی تھیں کہ ہم باغ کی شکل میں شاید کسی عجوبے کو دیکھنے کی توقع رکھنے لگے تھے کیونکہ جب ہم باغ میں داخل ہوئے تو کتنی دیر تک تو پتہ ہی نہیں چلا کہ داخل ہو چکے ہیں اونچی نیچی شکستہ پتھروں کی سیڑھیوں اور روشوں کے اردگرد کچھ سالخوردہ اور شرمندہ شرمندہ سے درخت تھے اور انہی سے ملتی جلتی کچھ عمارتیں تھیں جنہیں باغ کا نام دے دیا گیا تھا' ایک طرف نشیب میں ایک عمارت کے آثار سے تھے جن کے اوپر ایک کھنڈر نما مینار نیم خمیدہ حالت میں جیسے جھک کر اس کی بات سن رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ کسی بادشاہ کا مقبرہ ہے جس نے اپنی دولت کو محفوظ رکھنے کے لئے اسے کچھ اس انداز میں تعمیر کرایا تھا کہ کوئی اس کے اندر نہ جا سکے۔ مدتوں بعد مینار تک راستہ کھودنے کی کوشش کی گئی تو مینار کے گرنے کا خطرہ لاحق ہو گیا چنانچہ کھدائی بند کر کے اسے اسی طرح چھوڑ دیا گیا پیسا کے ترچھے مینار کی طرح اس کا نام بھی Lingering Gardern قسم کا تھا سنا ہے جب ہلٹن ہوٹل والوں نے پیسا میں اپنی شاخ کھولنا چاہی تو دنیا بھر میں پیسا ٹاور کے حوالے سے اس کا نام رکھنے کے لئے ایک انعامی مقابلے کا اعلان کیا اور جو نام منتخب ہوا تھا Hilton Tilton کچھ تو اس روز گرمی زیادہ تھی اور کچھ ہم لوگوں نے سوچو کو پہاڑی شہر سمجھ کر لباس بھی گرم نما پہن رکھے تھے سو باغ کی سیر کے دوران سب پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پیاس اتنی تھی کہ ہوا اور اس کے ساتھی کی لائی ہوئی منرل واٹر کی بوتلوں کا سٹاک بھی ختم ہو گیا تھا میزبانوں کا خیال ہمیں ایک اور باغ کی سیر کرانے کا بھی تھا لیکن جب ہم نے تھانگ کی معرفت انہیں دیگ کے دانے کے بارے میں اپنے مقامی محاورے پہنچائے تو وہ فوراً سمجھ گئے البتہ ان کی آنکھوں میں ہماری بدذوقی پر جو حیرت اور تاسف کے احساسات ابھرے انہوں نے رخصت ہونے میں خاصا وقت لیا۔

سوچو کی اس سیر کا ایک اہم مرحلہ یہاں کے میوزیم کا دورہ تھا۔ ہمارے مقامی میزبان نمبر ایک نیکر اور سینڈل بمعہ جراب والا ایک

دبلا پتلا اور محبتی قسم کا انسان تھا جس کی عینک کے پیچھے سے جھانکتی آنکھیں ہمہ وقت متبسم رہتی تھیں۔ حسن رضوی کو اس میں ہمارے مشترکہ دوست ڈاکٹر اجمل نیازی کی مشابہت نظر آئی اسکا خیال تھا کہ اورینٹل کالج کے طالب علمی کے دنوں میں بغیر داڑھی والا اجمل نیازی بالکل ایسا ہی ہوا کرتا تھا' میزبان نمبر دو ایک خاتون تھی جو کم و بیش اپنے ساتھی جیسی ہی تھی بس اس نے عینک نہیں پہنی ہوئی تھی۔

اس میوزیم میں چین کے اس علاقے کی قدیم ثقافت اور سماجی زندگی کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی تھی چھوٹے چھوٹے مجسموں کو مقامی لباس' رہن سہن اور رسم و رواج کی عکاسی کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا پرانے زمانے کے ایک عام گھر کا ماڈل بھی رکھا تھا جس میں تمام کمروں کی جزئیات کو بڑی تفصیل سے اور خوبصورتی سے پیش کیا گیا تھا اگلے کمرے میں لائف سائز مجسمے تھے جن کے چہروں اور حرکات میں زندوں جیسی لائف تھی۔ سانتا کلاز کی شکل کا ایک بوڑھا دعا کے انداز میں دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا معلوم ہوا کہ یہ یہاں کی ایک مخصوص دعا مانگ رہا ہے۔ جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ

"خدا تمہاری عمر' مغربی پہاڑ کی چوٹی جتنی لمبی کرے"

لمبی عمر کے حوالے سے بات چلی تو کسی نے ایک بڑے مزے کا لطیفہ سنایا۔

"ایک صاحب سگریٹ پر سگریٹ پیتے چلے جا رہے تھے ایک بزرگ سے نہ رہا گیا وہ ان کے پاس گئے اور بولے۔

"شاید آپ کو پتہ نہیں یہ سگریٹ ایک آہستہ روز ہر ہے۔ وہ صاحب بڑے اطمینان سے ایک لمبا کش لے کر بولے" مجھے بھی کوئی جلدی نہیں ہے۔

یہاں تھانگ نے ایک بڑی دلچسپ بات بتائی کہ چالاکی کرنے والے کے لئے جس طرح آپ اردو میں "چار سو بیس" کا عدد یا لفظ استعمال کرتے ہیں چینی میں اس کو دو سو پچیس کہا جاتا ہے اور اس طرح چار سو بیسی کرنے کو دو سو پچاسی کرنا کہا جاتا ہے اس کے بعد کئی دن تک ہم تھانگ کو اسی حوالے سے تنگ کرتے رہے کبھی کہتے کہ تھانگ صاحب آپ بڑے پانچ سو ہیں کبھی اسے 375 اور کبھی 125 بھی کہا جاتا ایک دن وہ شاید ٹوٹل کر کے آیا تھا مجھے اور حسن کو ایک طرف لے جا کر کہنے لگا۔

"آپ دونوں سولہ سو اسی ہیں۔"

اس کے بعد جمع الجمع کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ نوبت کیلکو لیٹر تک پہنچ گئی۔ سہ پہر کو ہم لوگ چینی کشیدہ کاری اور ریشم کے دھاگے سے تصویر کاری کا مرکز دیکھنے گئے یہ کارخانہ 1957ء میں قائم ہوا تھا جس میں 320 ہنر مند کام کرتے ہیں ان میں سے اسی فیصد عورتیں ہیں یہ بہت ہی محنت اور عرق ریزی کا کام ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قالین بافی کی طرح یہ کام بھی مشین اور ہاتھ دونوں طرح

سے ہوتا ہے اور دونوں کی قیمتوں میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے ہاتھ سے بنی ہوئی بعض تصویریں آٹھ گھنٹے روزانہ محنت کے ساتھ دو دو تین تین سال میں مکمل ہوتی ہیں۔

سلک کی فیکٹری میں ایک فیشن شو دکھایا گیا سات آٹھ لڑکیاں مختلف رنگوں اور ڈیزائن کے ریشمی ملبوسات پہن کر ایک مختصر سے سٹیج پر باری باری آتیں اور مخصوص انداز کی روشنیوں میں کپڑے دکھاتی اور دل گرماتی تھیں۔ ان کا یہ مظاہرہ اس قدر پر اثر تھا کہ دوستوں نے فیکٹری کے شوروم سے خوب خوب خریداری کی۔

کم و بیش یہی صورتحال چین کے مخصوص دستی پنکھے بنانے والی فیکٹری میں رہی پنکھوں کی تیاری کے مختلف مرحلے دیکھنے کے بعد جب ہم لوگ شوروم میں پہنچے تو ہنرمندی کے اس مظاہرے سے اس قدر مرعوب ہو چکے تھے کہ ہماری حالت ''تیرے پنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے'' والی ہو رہی تھی میوزیم کی سوغاتوں' سلک اور پنکھوں کی خریداری سے لدے پھندے جب ہم واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے تو سب نے اپنے اپنے باقی ماندہ زرمبادلہ کا حساب اور آئندہ کے لئے محتاط رہنے کا عہد کیا اس سلسلے میں ایک شعر بھی موزوں کیا گیا۔

لگایا شہر میں چکر جو ورکشاپوں کا
تو اہل پاک کو ان چینیوں نے لوٹ لیا

اجمل خٹک' بدلتی دنیا کے حوالے سے روس میں ہونے والی تبدیلیوں اور افغانستان کی صورتحال پر تبصرہ کر رہے تھے ان کے بیان کی سادگی اور لہجے کی دلسوزی کو دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ ایسے مخلص شخص پر بھی دہشت گردی کا الزام لگ سکتا ہے اس سفر کے دوران مختلف موقعوں پر میں نے خٹک صاحب سے ان کی زندگی' نظریات اور ان کے بارے میں ذرائع ابلاغ کی بنائی ہوئی تصویر کے موضوع پر گفتگو کی اگر ان سارے ٹکڑوں کو جوڑ کر دیکھا جائے تو اجمل خٹک کی پوری کہانی اس روایتی مگر بہت برمحل شعر کی صورت سامنے آتی ہے۔

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے پوری دنیا میں قومیتوں کے تصور اور تشخص کے حوالے سے جو تبدیلی رونما ہوئی ہے اس نے کرۂ ارض کا نہ صرف نقشہ بدل کے رکھ دیا ہے بلکہ انسانی رشتوں میں بھی کچھ ایسی گڑبڑ مچائی ہے کہ رنگ' نسل' زبان اور جغرافئے کے تیشوں

نے ضمیر آدم کو کاٹ کاٹ کے چھلنی کر دیا ہے۔لسانی گروہوں اور علاقائی تہذیبوں کے نام پر خود ہمارے وطن عزیز میں جو خوفناک کھیل کھیلا جا رہا ہے اس کے متوقع نتائج ایسے ہولناک ہیں کہ انہیں سوچ کر دم گھٹنے لگتا ہے۔علاقے اور زبان کی بنیاد پر اگنے والا یہ برادری ازم تعصب کے ایسے بیج بو رہا ہے کہ ہماری آئندہ نسلوں کو سانس لینے کے لئے ہوا بھی زہریلی ملے گی۔بروہی صاحب نے اس صورت حال کے حوالے سے ایک پرانی کہانی سنائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ چار شکاری اکٹھے سفر کر رہے تھے ان میں دو قریبی دیہات سے کھانے کا سامان لینے گئے اور واپسی میں اس میں زہر ملاتے لائے تا کہ سارے شکار پر قبضہ کر سکیں باقی دو پہلے سے گھات میں بیٹھے تھے انہوں نے بہانے سے لے جا کر ان کو کنوئیں میں دھکا دے دیا اور اس کے بعد زہریلی خوراک کھا کر خود بھی مر گئے۔

لوسون کا نام ادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ادب سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ جدید چینی ادب اور لوسون لازم و ملزوم ہیں کہ اس کے تذکرے کے بغیر بیسویں صدی کے چینی ادب کی کوئی تصویر مکمل نہیں ہو سکتی' لوسیون 1881ء میں پیدا ہوا اور 1936ء میں پچپن برس کی عمر میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔انقلاب چین کے بعد 1953ء میں اس کے گھر کو قومی یادگار کا درجہ دے دیا گیا اور 1956ء میں اس کی بیسویں برسی کے موقع پر اس کے مقبرے کو لوسیون پارک میں منتقل کر دیا گیا ہمیں بتایا گیا کہ اس کے موجود مقبرے کی لوح ماؤزے تنگ نے خود اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔

لوسیون کی زندگی شنگھائی میں گزری ڈاکٹر سن یات سن کی تحریک انقلاب کے دنوں میں اسے بہت سی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا بعض اوقات اسے رجعت پسندوں سے چھپنے کے لئے اپنے ایک دوست کی کتابوں کی دکان میں پناہ لینا پڑتی تھی۔

اب اس کی تصنیفات کو اٹھارہ جلدوں میں شائع کیا گیا ہے اور دنیا کی بیشتر زبانوں میں اس کی تخلیقات ترجمہ ہو چکی ہیں۔اگرچہ اس کی شہرت کی بنیادی وجہ اس کی ناول نگاری ہے لیکن نظم و نثر کی دیگر اصناف میں بھی اس کا کام بہت اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔

ایک خاصی چوڑی اور صاف ستھری بند گلی کے آخر میں دائیں طرف یورپی طرز کا ایک خوبصورت تین منزلہ مکان تھا جس میں لوسیون نے اپنی زندگی کے آخری برس گزارے تھے ہم غالباً بہت سویرے آ گئے تھے کیونکہ مکان ابھی بند تھا۔میزبانوں نے ساتھ والے گھر سے ایک موٹے تازے شخص کو برآمد کیا جس نے ٹکٹیں دینے اور نوٹوں کو دو تین دفعہ گننے کے بعد ایک دم گائیڈ کے فرائض سنبھال لیئے اور ہمیں اس مکان اور اس میں رکھی ہوئی چیزوں کے بارے میں وہ سب باتیں بتانے لگا جو پہلے سے وہاں رکھی ہوئی ہر چیز کے ساتھ بزبان انگریزی درج تھیں لوسیون ٹی بی اور دمے کا مریض تھا اس کے کمرے میں ایک طرف ان سب دوائیوں کی

شیشیاں پڑی تھیں جنہیں وہ استعمال کیا کرتا تھا اور وہ آلہ بھی رکھا تھا جس کے ذریعے وہ اپنے تنفس کا نظام درست کرتا تھا۔ دیواروں پر اس کی زندگی کے مختلف ادوار کی تصویریں لگی تھیں جن میں اس کی بیوی اور اکلوتے بیٹے کی تصویریں بھی شامل تھیں۔ مکان کے ایک حصے میں اس کی تصنیفات کے مختلف ایڈیشن اور اس کی ادبی زندگی کے ادوار کے بارے میں معلومات جمع کر دی گئی تھیں سب لوگوں نے وہاں تصویریں بنوائیں اور اس کے بعد اس کے گھر کے باہر گروپ فوٹو بنائے گئے جن میں سب سے زیادہ جگہ ہمارا خود ساختہ گائیڈ اور اس جگہ کا نگران گھیرتا تھا ایک بار جب وہ منیر نیازی اور کیمرے کے بالکل درمیان میں بازو پھیلا کر کھڑا تھا نیازی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں جل کر کہا

"یہ مجھے انہی رجعت پسندوں کی باقیات لگتا ہے جن سے بچ کر لوسیون کتابوں کی دکان میں چھپا کرتا تھا۔"

لوسیون کے گھر کی زیارت کے اس سفر میں ساقی فاروقی بہت یاد آیا کیونکہ لندن میں اس کا محبوب مشغلہ باہر سے آنے والے دوستوں کو مرحوم مشاہیر کے مکانوں اور ان سے منسوب جگہوں کی سیر کرانا ہے ایسی ہی ایک سیر کے دوران اس نے مجھے' عطا قاسمی اور بڑے یعنی احمد ندیم قاسمی صاحب کو ڈی ایچ لارنس' چارلس ڈکنز' رابندر ناتھ ٹیگور' جان کیٹس اور ڈاکٹر جانسن سے منسوب مختلف جگہیں دکھائیں اور ساتھ ساتھ کنٹری بھی جاری رکھی کہ ان مشہور آدمیوں کے ان جگہوں سے تعلق کی نوعیت کیا تھی اس عمل میں تین چار گھنٹے لگ گئے' زبان پر کانٹے اگنے اور پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے مگر ساقی اپنے وفور اضطراب و اشتیاق میں ایسا محو تھا کہ اسے ہماری حالت کی خبر ہی نہیں تھی۔ اچانک ایک جگہ رک کر عطا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

"یار ساقی' یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں "مشہور" لوگ بیٹھ کر کھانا وانا کھایا کرتے تھے' ساقی جو یوں بھی اپنی سیماب مفتی کے باعث متلاطم رہتا ہے اس بات پر لوٹن کبوتر بن گیا اور فوراً ہمیں ایک ایسے کلب نما ہوٹل میں لے گیا جہاں بقول اس کے قائداعظم اپنے قیام لندن کے دوران مستقل بیٹھا کرتے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد ہم موسم کا لطف لینے کے لئے ایک کھلی جگہ پر بیٹھ گئے ساقی نے ہمیں نشستیں بدلنے کے لئے کہا ہم نے وجہ پوچھی تو بولا۔

"آپ کے بالکل سامنے۔ یہاں کا ایک مشہور پب ہے جہاں اس وقت لوگ مصروف ناؤنوش ہیں آپ ٹھہرے خشکے لوگ' میں نے سوچا کہیں' آپ کے ایمان میں خلل نہ واقع ہو جائے۔"

اس "پب" سے مجھے عارف وقار کا سنایا ہوا ایک واقعہ یاد آ گیا "پب" پنجابی میں پاؤں کے اگلے حصے کو کہتے ہیں۔

جب آدمی کسی کی راہ دیکھ رہا ہوتا ہے تو بار بار "پنجوں" کے وزن پر اونچا ہو کر دیکھتا ہے یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ یہ واقعہ اس وضاحت کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا جیسا کہ ساقی کو نہیں آیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تشریح کے بعد وہ اس پر اتنا ہنسا کہ مجھے مجبوراً اس کے بائی پاس آپریشن کا واسطہ دینا پڑا۔ واقعہ کچھ یوں ہے

ہمارے ایک نامور موسیقار (جن کا نام میں بوجوہ نہیں لکھ رہا) لندن پہنچے تو بی بی سی کے نوجوان پاکستانی عملے نے اس کی بہت آؤ بھگت کی انٹرویو وغیرہ کی ریکارڈنگ کے بعد ان کو کھانے لے گئے اور اس دوران اس تذبذب میں تھے کہ موصوف سے "شغل بادہ و جام" کے بارے میں کیسے پوچھیں کہ درمیان میں تکلف کا پردہ بالآخر ایک نوجوان نے بہت ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"سرکار کسی پب وغیرہ میں چلیں۔"

موصوف نے جھوم کر کہا

"کیوں نہیں' کیوں نہیں' ساڈیاں تے عمراں لنگھیاں پباں بھار"

جن احباب نے اسد امانت علی کی گائی ہوئی یہ کافی سن رکھی ہے وہ اس بات سے زیادہ لطف لے سکیں گے

دوپہر کے بعد شنگھائی کے ادیبوں کے ساتھ ملاقات کا سیشن تھا مگر اس میں سب سے دلچسپ بات ملاقات کا Venue یعنی جائے ملاقات تھی جو ایک جہاز نما سٹیمر کا ایک کشادہ اور خوبصورت کمرہ تھا یہ ایک تفریحی سٹیمر تھا جو دریائے ہانگ فو کے ڈیلٹا میں تین گھنٹے کا ایک چکر لگاتا تھا اور اس دوران کھلے سمندر سے بھی ہیلو ہیلو کرتا تھا۔

میزبان ادیبوں کا سربراہ لوالوا نامی ایک بہت جہاندیدہ اور ذہین انسان تھا وہ شنگھائی شہر کا کونسلر ہونے کے ساتھ ساتھ ادیبوں کی مقامی انجمن کا وائس چیئرمین اور مرکزی کمیونسٹ پارٹی کا بھی عہدیدار تھا' گفتگو میں بہت خلیق اور دھیما مگر بے حد محتاط تھا۔ سیاسی موضوعات پر بات کرتے وقت جس بات کو ٹالنا چاہتا تھا ایسی خوبصورتی سے ٹالتا تھا کہ ہم سوائے اسے داد دینے کے کچھ نہ کچھ کر سکتے تھے اس نے اپنے وفد کے ساتھی ارکان کا بڑا دلچسپ اور جامع تعارف کرایا جن کے نام اور شعبے یہ تھے۔

زاؤ چنگ سین....... ناول نگار

ناؤلی چو....... نوجوان شاعر' کمیونسٹ پارٹی کا مقامی کونسلر

لوکنگ....... انجمن کی سیکرٹری' مقبول اور اہم ناول نگار

ناؤشی این....... رسالے کا ایڈیٹر

پی فنگ...... ناول نگار

ہوااور اس کا ساتھی لڑکا چن شی لو تو شنگھائی کے ریلوے سٹیشن سے ہمارے ساتھ تھے اور اب تک ہم سے خاصے مانوس ہو چکے تھے مگر ان کا سینئر پی فنگ سٹیشن پر استقبال کے بعد سے اب ملا تھا سارے چینیوں کی طرح ایک مستقل مسکراہٹ اس کے چہرے کا بھی حصہ تھی مگر اس کی شخصیت میں سب سے نمایاں بات اس کی آواز تھی۔ وہ سرگوشی بھی خطرے کے اعلان کی طرح کرتا تھا بروی صاحب کا خیال تھا کہ اس کا بنیادی سرہارمونیم کے پانچویں کالے سے ملتا ہے جسے کم کم ہی گانے والے استعمال کر پاتے ہیں لوا لوا کے ٹھہرے ہوئے انداز گفتار کے درمیان پی فنگ کی پہاڑی آواز کا زیر و بم کچھ کچھ نصرت فتح علی کی قوالی سے ملتا تھا سو لطف کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

سٹیمر دریائے ہانگ فو میں رواں تھا اور اس کے ایک کمرے میں بحث و مباحثے کا بازار گرم تھا۔ تیسری دنیا کے مسائل اور ان کے حل میں ادب کی اہمیت پر دھواں دھار گفتگو جاری تھی' اجمل خٹک بدلتی ہوئی دنیا کے حوالے سے اپنا موقف بنا رہے تھے اور لوا لوا ان کی روس کی طرف جاتی ہوئی گفتگو کو کھینچ کھینچ کر شنگھائی شہر اس کی تاریخ' مسائل اور تعمیر و ترقی کے احاطے میں رکھنے پر تلا ہوا تھا اس دوران میں جہاز والوں کی طرف سے تواضع بھی کی گئی اور کچھ معلومات لٹریچر اور چھوٹے چھوٹے سوونیئر بھی دیئے گئے کم و بیش دو گھنٹے کی اس نشست میں بہت سی باتیں ہوئیں اور بہت سے مشترکہ مسائل زیر بحث آئے اچانک میری نظر سمندر کے رخ والے دروازے پر پڑی جہاں حسن مجھے ہاتھ کے اشارے سے باہر بلا رہا تھا اس کے چہرے پر ایسی سرخی تھی جو صرف خاص خاص موقعوں پر نظر آتی ہے چنانچہ جب میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا عرشے کے ایک حصے میں پہنچا تو بات صاف ہو گئی۔ ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ایک یورپی لڑکا اور لڑکی سمندر کے نظارے میں مصروف تھے مگر عالم یہ تھا کہ لڑکی نے اگرچہ دو تین طرح کے کپڑے پہن رکھے تھے مگر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ انہیں کس طرح پہنا اور کس لئے بنایا گیا ہے۔ دنیا کے مختلف سمندروں کے تفریحی ساحلوں پر کم لباسی اور بے لباسی کے کئی منظر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے مگر اس بی بی کا لباس ان سب سے بازی لے گیا تھا' تھوڑی دیر تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہا جائے لیکن جب اس بی بی نے ہماری طرف دیکھ کر اور اپنے ساتھی کے چہرے سے منہ اٹھا کر بے تکلفی سے ہیلو کہا تو ازراہ اخلاق ہمیں بھی گفتگو کا سلسلہ آغاز کرنا پڑا' معلوم ہوا کہ موصوفہ چین سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی رگوں میں نسلی طور پر مورش یعنی سپینی مسلمانوں کا خون دوڑ رہا ہے۔ کئی برسوں سے وہ دنیا کی سیاحت پر نکلی ہوئی ہے اور اس سلسلے میں اس کا ماٹو "سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے" کے سوا کچھ نہیں۔ اس کا ساتھی' جو بعد میں ڈچ ثابت ہوا کچھ دیر تو بے نیازی سے بیٹھا رہا پھر ایک دم اٹھ کر ایک طرف کو چلا

گیا' حسن نے حسب معمول کیمرہ تان لیا اور دھڑا دھڑ فلیش کے دھماکے کرنے لگا حالانکہ ان کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔

تھوڑی دیر میں ہوا اور اس کا ساتھی چن بھی وہیں آ گئے' ہوا نے میرے ساتھ کچھ تصویریں بنوائیں اور کہا کہ وہ ان کی کاپیاں مجھے بھجوائے گی حسینہ اندلس کے جی میں پتہ نہیں کیا آئی کہ وہ بھی ایک اڈاری سی مار کر ہمارے درمیان آ کھڑی ہوئی اور اپنا آدھا آدھا وزن ہم دونوں کے کندھوں پر مساویانہ ڈالتے ہوئے زور زور سے ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

You are being photographed, Say Cheese:

Say Cheese اور ''ذرا مسکرایئے'' زندگی میں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں بار ضرور سنا تھا مگر اس وقت اس فرمائش نے آزمائش میں ڈال دیا میں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی مگر صورتحال شرمانے' گھبرانے اور اکسانے والی تھی اس لئے میں نے جلدی سے منہ کیمرے کی طرف کر لیا تصویر اتروا کر وہ ''حدود آرڈیننس'' تو چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی لیکن مجھے ہوا کو تاکید کرنا پڑی کہ وہ یہ آخر والی تصویر بھجوانے کی زحمت نہ کرے کیونکہ اس سے اندیشۂ نقصِ امن پیدا ہو سکتا ہے اس نے اقرار تو کر لیا اور بعد میں اس وعدے کو ایفا بھی کیا مگر اس کی آنکھوں میں یہ الجھن بہت دیر تک تیرتی رہی کہ کسی تصویر سے اندیشۂ نقصِ امن کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

واپس میٹنگ والے کمرے میں پہنچے تو وہاں معاشرہ شروع تھا اور تھانگ بار بار ''یہ کہتے ہیں'' کی تکرار کر رہا تھا ختک صاحب کی فرمائش پر میں نے ''شنگھائی'' پر لکھی ہوئی نظم سنائی جو اس دن صبح مکمل ہوئی تھی چینی دوستوں نے نظم کو بے حد پسند کیا جس کا غالب سبب غالباً یہ تھا کہ اپنی کسی چیز کی تعریف دوسرے کے منہ سے ہمیشہ بہت اچھی لگتی ہے اس نظم کی تحریک مجھے سٹیل مل کے دورے کے دوران ہوئی تھی شاید اسی لئے اس کے زیادہ تر حوالے محنت اور محنت کش سے متعلق ہیں۔

شنگھائی

ڈیڑھ کروڑ انسان
یک دل اور یک جان

ہاتھ میں ڈالے ہاتھ
آگے بڑھتے جائیں

اک دوجے کے ساتھ

منزل روشن ہے
مہکی سبز بہار
گلشن گلشن ہے

محنت پر ایقان
ڈیڑھ کروڑ انسان
یک دل اور یک جان

ہر جانب تعمیر
مٹی پتھر دھات
سب میں ہے تنویر

سایہ کرتے رکھ
مل کر بانٹے ہیں
سارے دکھ اور سکھ

بستی دل کھلیان
ڈیڑھ کروڑ انسان
یک دل اور یک جان

نظم کے اختتام پر ناؤلی چونے جو جدید نسل کا ایک اہم شاعر تھا چینی زبان میں ایک فی البدیہہ نظم اس کے حوالے سے سنائی جس کا ترجمہ تھانگ نے کچھ اس طرح کیا۔

"یہ کہتے ہیں' اگرچہ مجھے آپ کی زبان نہیں آتی مگر آپ کی آنکھوں سے اس کو پڑھ سکتا ہوں اور میرا دل اس کے ایک ایک لفظ کے معنی اچھی طرح محسوس کر رہا ہے۔"

3 ستمبر' شنگھائی سے ہماری واپسی بیجنگ روانگی کا دن تھا چنانچہ ناشتے کے بعد پیکنگ کی طرف متوجہ ہوئے مختلف جگہوں سے کی ہوئی شاپنگ' کتابوں کے تحفوں اور میلے کپڑوں کی وجہ سے میرا اٹیچی کیس اپنی وسعت کے باوجود تنگیٔ داماں کا شکار ہو چکا تھا اور اس کی زپ گزشتہ کئی دنوں سے دبی دبی زبان میں اپنا احتجاج ریکارڈ کروا رہی تھی لیکن میرے ذہن میں یہی تھا کہ اب ایک ہی بار بیجنگ پہنچ کر لندن سے خریدے ہوئے اس نیلے جہازی بیگ کو استعمال کریں جو اسی طرح کی ایک صورتحال میں خریدا گیا تھا اور جو اٹیچی میں سب سے نیچے تہہ کیا رکھا تھا گزشتہ دس برس میں اتنے بہت سے سفر کرنے کے بعد اب بھی پیکنگ کے سلسلے میں میری مہارت اور روز

اول کی ہی ہے میرا اصول ہے کہ جس طرح پانی پیٹ میں اپنی جگہ خود بنایا ہے اسی طرح اگر سامان کو بھی ایک بار بکس میں رکھ لیا جائے تو پھر وہ خود بخود اپنے سمانے کا بندوبست کر لیتا ہے اس بار بھی میرا یہ اصول بظاہر کامیاب نظر آ رہا تھا میں نے گنبد کی شکل میں سارا سامان ایک دوسرے کے اوپر اور دائیں بائیں رکھ دیا اور اسے اوپر سے دبا دبا کر زپ بند کرنا شروع کیا ابھی کوئی چار پانچ انچ کا فاصلہ طے ہوا تھا کہ ایک دم زپ دور تک پھسلتی چلی گئی اور ساتھ ہی بہت سا سامان اچھل کر ''اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا'' کی تصویر بن گیا اب جو غور سے دیکھا تو زپ ون وے ٹریفک ہو چکی تھی اور اٹیچی کا بالائی حصہ صوبائی خود مختاری کا اعلان کر رہا تھا جلدی جلدی بیگ نکال کر کافی صلح صفائی پر آمادہ نہ ہوئی میں نے استقبالیہ کاؤنٹر پر جا کر بہت تگ و دو کے بعد اپنا مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ ہوٹل کے مستری یا الیکٹریشن کو بلوا دیں جو یقیناً پلاس اور پیچ کس وغیرہ کی مدد سے زپ کو ٹھیک کر دیں گے۔ کاؤنٹر پر موجود تینوں خواتین ایسی تھیں جنہیں دیکھ کر دل میں کوئی برا خیال پیدا نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ جب ان میں سے ایک نے میرے ساتھ کمرے میں چلنے کا ارادہ ظاہر کیا تو نہ کانوں میں گھنٹیاں بجیں اور نہ ہی لہو میں کوئی ہلچل ٹائپ چیز پیدا ہوئی۔

کافی دیر تک زپ اور اٹیچی کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اپنے جیکٹ نما کوٹ کی جیب سے ایک چابی نکالی اور زپ کے لاک کو کشادہ کرنے کے لئے زور لگانے لگی میں نے اسے بہت سمجھایا کہ اس طرح یہ لاک شاید کھل جائے تو مگر بند نہیں ہو گا اور سامان کا دباؤ پڑنے سے ''کھوتی پھر بوڑھ تھلے'' آ جائے گی یعنی سابقہ صورتحال پھر بحال ہو جائے گی اس پر اس نے بڑی معصومیت سے جو کچھ کہا اس کا مفہوم تھا کہ

''تو پھر کیا کیا جائے'' متعلقہ آدمی تو اس وقت ملنا مشکل ہے۔

میں نے کہا تم کہیں سے ایک پلاس منگوا دو باقی کام میں خود کر لوں گا۔

اعتماد یہ تھا کہ سارا خاندان کاریگروں اور دستکاروں سے بھرا پڑا ہے اس اعتبار سے ہم سپوت نہ سہی کپوت ہی سہی مگر کچھ نہ کچھ تو خون کا اثر رنگ دکھائے گا۔ کافی کوشش کے بعد پلاس تو مہیا ہو گیا مگر مجھے اس یقین دہانی کے بعد دیا گیا کہ نفع نقصان کی ساری ذمہ داری مجھ پر ہو گی اور ہوٹل ہذا کسی بات کا ذمہ دار نہ ہو گا' میں نے اللہ کا نام لے کر کام شروع کیا اور دو منٹ کے اندر اندر زپ ایسی روانی سے چل رہی تھی جیسے کبھی خراب ہی نہ ہوئی تھی۔ اسی سارے عمل کے دوران استقبالیہ کلرک لڑکی کے علاوہ تین چار روم سروس والے لڑکے بھی جمع ہو چکے تھے چنانچہ جب میں نے زپ ٹھیک کرنے کے بعد سر اٹھایا تو ان کی آنکھوں میں تحسین و آفرین کے ایسے جذبات نمایاں تھے جیسے میں نے کوئی بہت کامیاب سائنسی تجربہ کر کے دکھایا ہو میں نے سوچا کاش اس وقت میری بیوی بھی یہاں

موجود ہوتی اور اپنی آنکھوں سے میری ہنرمندی اور چینیوں کی عقیدت کا یہ مظاہرہ دیکھتی کیونکہ اس کے خیال میں مجھے لکڑی کی دیوار میں سیدھا کیل بھی لگانا نہیں آتا۔

سامان بھجوانے کے لیے حسب معمول میزبانوں نے ایک علیحدہ گاڑی کا انتظام کر رکھا تھا روانگی سے قبل ہمیں کہا گیا کہ ایک بار پھر اپنا اپنا سامان چیک کر لیں تا کہ کوئی چیز رہ نہ جائے میں نے ایک سرسری سی نظر ویگن میں ٹھنسے ہوئے سامان پر دوڑائی نیلا بیگ نظر نہ آیا اب کے ایک تفصیلی پڑتالی قسم کا جائزہ لیا گیا مگر بیگ پھر بھی ظاہر نہ ہوا میں نے متعلقہ ڈرائیور کو بتانا چاہا مگر وہ جواب میں مسلسل مسکراتا رہا تھا نگ اور ہوا دونوں ابھی ہوٹل میں ہی تھے سو میں نے زبان غیر سے ہی شرح آرزو کرنے کا فیصلہ کیا اب جو نہیں لے کر آیا ہوں تو یا ''مظہر العجائب ہاتھی بمعہ ہودا غائب'' والا معاملہ تھا ویگن ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو چکی تھی دوبارہ کمرے سے لے کر ویگن کی پارکنگ کی جگہ تک ہر ہر اس مقام کا تفصیلی معائنہ کیا گیا جہاں بیگ کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا مگر نتیجے میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو سکی فلائٹ کا وقت بھی ہو رہا تھا سو بیگ کو تقدیر کے حوالے کر کے ہم ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے تھا نگ اس دوران میں بار بار یقین دلاتا رہا کہ بیگ گم نہیں ہوگا۔ ائیر پورٹ پر ایک طرف ہمارے سارے بکس ترتیب سے رکھے تھے مگر نیلا بیگ یہاں بھی موجود نہیں تھا' تھا نگ چند لمحے سر کھجاتا رہا پھر اس نے مقامی میزبانوں اور ویگن ڈرائیور کے ساتھ اس صورتحال پر تبادلہ خیال شروع کیا پہلی بار ان کے چہروں پر پریشانی نظر آئی' ایک دم ویگن ڈرائیور کو جیسے کچھ یاد آیا اس نے کوسٹر کے ڈرائیور سے کوئی بات کی اور پھر اس کو ساتھ لے کر تقریباً بھاگتا ہوا باہر کی طرف نکل گیا کوئی دس منٹ کے بعد دونوں لوٹے تو انہوں نے بیگ کو ایک ٹرافی کی طرح اٹھا رکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ پہلے صرف بڑا سامان ویگن میں بھجوانے کا ارادہ تھا چنانچہ بیگز کو دستی سامان شمار کرتے ہوئے کوسٹر میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا پھر ائیر پورٹ پر مزید سہولت اور آسانی کے خیال سے یہ طے ہوا کہ سارا سامان ایک ساتھ جائے اس کشمکش میں نیلا بیگ کوسٹر کی سب سے آخری نشست کے ایک کونے میں پڑا رہ گیا۔ اتفاق سے وہاں کوئی بیٹھا ہی نہیں چنانچہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑ سکی۔

تھا نگ کے چہرے پر اطمینان آیا اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ تو وہی بات ہوئی کہ بچہ بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں'' محاورے کے اس برمحل اور برجستہ استعمال پر تھا نگ کو بہت داد ملی کیونکہ ہمارے یہاں تو اچھے بھلے بڑی کلاسوں کے طلبہ بھی محاورے کی وہ وہ ٹانگ توڑتے ہیں کہ رہے نام اللہ کا۔

ایف اے کے پرچے میں ایک طالبہ نے ''کلنک کا ٹیکہ لگنا'' کو بھی غالباً انجکشن کی کوئی قسم سمجھا تھا اور اسے کچھ یوں جملے میں استعمال کیا تھا۔

"ہمارے محلے میں کل سب نے کلنک کے ٹیکے لگوائے میں گھر پر نہیں تھی اس لئے نہ لگوا سکی۔"

ہوا اور چن سفید کپڑوں میں ملبوس مرغابیوں کا ایک جوڑا لگ رہے تھے سب سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ میرے پاس بھی آئے ہوا نے پوچھا۔

"پھر کب آئیں گے؟"

میں نے سوچا یہ الوداعی گفتگو بھی کیسی عجیب رسم ہے سوال کرنے والے کو اچھی طرح پتہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے سفروں پر آنے والے مسافر لوٹ کر نہیں آیا کرتے اور اگر کبھی برسوں بعد کسی طرح آ بھی جائیں تو بھی ملاقات کا امکان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور فرض کیجئے ملاقات ہو بھی جائے تب بھی گفتگو کے لئے سوائے خیر خیریت پوچھنے کے کوئی مشترک موضوع نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود فریقین اتنی سنجیدگی سے وعدے وعید کرتے ہیں جیسے یہ سارے خیالات چند سیکنڈ کے اندر ذہن کے پردے پر روشن ہوئے اور پھر بجھ گئے میں نے مسکراتے ہوئے بڑے وثوق سے کہا۔

"انشاء اللہ جلدی ملاقات ہوگی تم اور تمہارا شہر دونوں بہت اچھے ہیں۔"

ہوا کے بچوں جیسے چھوٹے اور پیلے چہرے کو اس کی مسکراہٹ نے جیسے روشن کر دیا' بولی۔

"میں آپ کو خط لکھوں گی' آپ جواب دیں گے نا۔"

میں نے ایک نظر اس کے ساتھی چن کی طرف دیکھا جو مسلسل مسکرائے جا رہا تھا پتہ نہیں کیوں مجھے پہلی ملاقات پر ہی یہ احساس تھا کہ ہوا اور وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ جدید چینی معاشرے میں عورت اور مرد کی تفریق کچھ اس طرح سے گم ہوئی ہے کہ ان کے خارج سے باطن کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے سو آخر تک میرے اس شبے کی تصدیق یا تردید نہ ہو سکی۔ کلچر اور تہذیب کے فرق سے انسانی رشتوں کے اظہار کی نوعیت کس قدر بدل جاتی ہے اس کا اندازہ صرف ذاتی مشاہدے اور تجربے سے ہی لگایا جا سکتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ آپ چیزوں کو نہ صرف قریب سے بلکہ زیادہ عرصے تک بھی دیکھیں' کسی متعین پروگرام کے تحت ایک باقاعدہ قسم کے وفد کے ممبر کے طور پر کسی نئے ملک میں دو ہفتے گزارنے سے صرف ایک عمومی تاثر ہی مرتب ہو سکتا ہے آپ اس معاشرے کی روح تک نہ تو اتر سکتے ہیں اور نہ اسے ٹھیک طرح سے سمجھ سکتے ہیں سو عین ممکن ہے کہ ہوا اور چن میں سرے سے کوئی قلبی تعلق نہ ہو اور یہ سب میرے اپنے معاشرے کی تربیت کا نتیجہ ہو کہ جہاں لڑکے اور لڑکی کا ایک ساتھ ہونا ہی اور بہت کچھ ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

چین میں جنسی جرائم کی شرح بے حد کم ہے اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ جنس ان کے نزدیک زندگی کا ایک نہایت ہی نارمل فعل ہے اور چونکہ مذہب یا مذہبی اخلاقیات ان کے یہاں محض ایک ذاتی رویہ ہے جس کا ان کی اجتماعی زندگی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں سو وہاں کوئی اس پر سوچنے یا ٹانگ اڑانے میں وقت ضائع نہیں کرتا' ایک بچہ فی خاندان کے قانون نے بھی اس موضوع کی بہت سی تفصیلات کو چھوٹی عمر سے ہی لوگوں کے لئے اتنا عام آسان اور سہل الحصول کر دیا ہے کہ پراسراریت اور رومانس اس تجربے سے تقریباً خارج ہو گئے ہیں' مغربی فلموں اور میوزک کے اثر سے نوجوان نسل کہیں کہیں پبلک مقامات پر ایک دوسرے سے لپٹتی لپٹاتی نظر آئی مگر ان کے انداز میں بھی گرمجوشی سے زیادہ خیر سگالی کا جذبہ نمایاں تھا۔

جہاز نے ٹیک آف کیا اور شنگھائی کی عمارتوں کے ساتھ ساتھ وہاں کے دوستوں کے چہرے بھی دھندلانے لگے' اجمل خٹک میرے ساتھ والی سیٹ پر تھے سو میں نے ان کی زندگی کے بارے میں سوالات کا سلسلہ جہاں سے ٹوٹا تھا وہیں سے دوبارہ جوڑ دیا انہوں نے اپنی جلاوطنی کی وجوہات اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات پر روشنی ڈالی اپنے بچوں اور ان کی تعلیم کے بارے میں بتایا بھٹو برادران' سلام اللہ ٹیپو' ہائی جیک' نور محمد ترہ کی' حفیظ اللہ امین' ببرک کارمل' ڈاکٹر نجیب اور جنرل داؤد کے حوالے سے اپنے تجربات' مشاہدات اور خیالات بتائے' گلبدین حکمت یار کے بارے میں اپنی خراب اور پریشان خٹک کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار کیا گفتگو کے دوران ہی ہم نے کھانا کھایا جو غیر متوقع طور پر اچھا تھا لیکن اس سے بھی زیادہ پرلطف اور عجیب بات ڈرائی فروٹ کی پیشکش تھی مجھے نہیں یاد پڑتا کہ اس سے پہلے کبھی کسی فلائٹ پر مہمانداری کا یہ انداز دیکھنے میں آیا ہو' میں نے کہا۔

"لگتا ہے خٹک صاحب یہ خصوصی پیشکش آپ کی وجہ سے کی گئی ہے"

وہ اپنے سامنے کے دو دانتوں سے نہیں لیکن بے حد زندہ مسکراہٹ کے ساتھ قدرے بلند آواز میں منیر نیازی کی طرف دیکھ کر آنکھ مارتے ہوئے بولے۔

"بھئی جہاز میں' میں اکیلا ہی پٹھان تو نہیں' نیازی صاحب بھی بیٹھے ہیں اور ان کی موجودگی میں کیسے ممکن ہے کہ ہماری دال گل سکے' دیکھو نا ان کی کیسی خاطریں ہو رہی ہیں۔

منیر نیازی نے غالباً پورا جملہ نہیں سنا لیکن اندازے سے بھانپ لیا کہ اس کا نفس مضمون کیا ہو سکتا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے سامنے کھڑی ہوئی ائیر ہوسٹس کو کچھ ایسی مالکانہ حقوق والی نظروں سے دیکھا اور اس پر ایک ایسی لگاوٹ بھری نظر ڈالی کہ کافی کا برتن اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا در اصل خاتون موصوف صورت شکل کے اعتبار سے کچھ اتنی بخشی ہوئی تھی کہ ایسی باقاعدہ اور بھرپور

نظر سے دوچار ہوئے اسے شاید برسوں ہو چکے تھے۔

اس صورتحال سے بات کا رخ منیر صاحب کی ابتدائی نظموں میں پائی جانے والی چڑیلوں اور خون آشام بھتنیوں کی طرف پھر گیا' خٹک صاحب نے اپنی زندگی کا ایک چشم دید واقعہ سنایا جس میں Raiders of the lost ark بننے کے تمام لوازمات موجود تھے۔

''دریائے سندھ کے کنارے ایک غیر آباد علاقے کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں مشہور تھیں اور کئی مافوق الفطرت واقعات اس سے منسوب کئے جاتے تھے۔ مقامی طور پر اسے ''جنوں کا جزیرہ'' کا کہا جاتا تھا۔ تقسیم سے قبل یہاں ہندوؤں کی ایک آبادی تھی جو اچانک یہ جگہ چھوڑ گئی اور آہستہ آہستہ اس علاقے کی پراسراریت اتنی بڑھی کہ کشتی راتوں اور ماہی گیروں نے اس کے نزدیک گزرنا بھی چھوڑ دیا۔ 1955ء کا زمانہ تھا ہماری جوانی کے دن تھے اور خطروں سے خواہ مخواہ ٹکرانے کا شوق فراواں تھا چنانچہ کچھ دوستوں نے مل کر اس ''جزیرے'' کی سیر کا پروگرام بنایا۔ بڑی مشکلوں سے دو کشتیوں کا انتظام کیا گیا جنھوں نے ہم مہم جو نوجوانوں کو ایک خاص مقام پر اتارنے اور پھر وہاں سے ایک خاص وقت کے بعد دوبارہ لینے کی حامی بھر لی۔

ایک خاصے گھنے جنگل میں تقریباً ایک گھنٹے چلنے کے بعد ایک گاؤں کے آثار دکھائی دیئے جس کی ہر چیز سے کھولت' بے ترتیبی اور فنا پذیری کے آثار نمایاں تھے۔ بے آباد گلیوں' خودرو پودوں اور شکستہ مکانوں کے پرہول مناظر کو دیکھتے ہوئے ہم لوگ ایک نیم شکستہ مندر تک پہنچے جس کا مرکزی دروازہ کھلا تھا مندر کے اندر ویرانی نے جالے تن رکھے تھے۔ یکدم ہمیں یوں لگا جیسے وہاں ہمارے علاوہ بھی کوئی ہے تلاش پر ایک بڑی مورتی کے پیچھے تیرہ چودہ برس کی لڑکی نظر آئی جو بلا کی حسین تھی اور جس کے جسم پر لباس کے نام کی کوئی چیز نہیں تھی وہ ہم لوگوں کو دیکھ کر ہراساں تو ضرور تھی مگر اسے اپنی برہنگی کا کوئی احساس نہیں تھا نہ اس نے اپنا بدن چرانے کی کوشش کی اور نہ ہی اس کی آنکھوں میں خوف اور حیرت کے علاوہ کوئی تاثر ابھرا جب اس سے بات کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ گونگوں کی طرح غوں غاں کرتی رہی بیچ بیچ میں کبھی کبھار وہ کوئی بنیادی نوعیت کا بامعنی لفظ بھی بولنے کی کوشش کرتی تھی بڑی مشکلوں سے اسے چادر اوڑھنے پر مجبور کیا گیا اسے لے کر ہم ایک قریب کی آبادی میں آئے جہاں اسے مقامی عورتوں کے سپرد کیا گیا بعد معلوم ہوا کہ گاؤں کے لوگوں کی نقل مکانی کے وقت وہ شاید ایک یا دو برس کی تھی اور پتہ نہیں کس طرح اپنے خاندان سے بچھڑ گئی اور اب گزشتہ گیارہ بارہ برس سے وہ تنہا اس اجڑے ہوئے گاؤں میں رہ رہی تھی جہاں فطرت کے سوا اس کا کوئی دوست یار نہیں تھا' حکومت کے متعلقہ اداروں کے ذریعے اس کے ورثاء کو ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی لیکن پتہ چل سکا پھر اسے گاؤں کے ہی ایک خاندان نے اپنی

سرپرستی میں لے لیا جہاں اس نے نانی بننے کے بعد انتقال کیا۔"

خٹک صاحب کی یہ کہانی اتنی دلچسپ تھی کہ جہاز کی لینڈنگ کا بھی پتہ نہیں چل سکا ان کے بیان میں کچھ ایسا سحر تھا کہ اترتے وقت جب متعلقہ ائیر ہوسٹس نے الوداعی سلام کیا تو جیسے ایک دم مندر کی بہت سی گھنٹیاں بج اٹھیں میں نے گھبرا کر خٹک صاحب کی طرف دیکھا مگر وہ ڈاکٹر فرمان کو بدلتی ہوئی دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔

بیجنگ میں ہمارا انتظام اب کے بھی کیپیٹل ہوٹل میں تھا مجھے کمرہ نمبر 1102 اور بروہی صاحب کو 1103 ملا میں نے تالے میں چابی لگائی مگر اس نے گھومنے سے انکار کر دیا کمرے کے دروازے اور چابی پر لکھے ہوئے نمبر ڈیک کئے دونوں ٹھیک تھے سوچا بروہی صاحب کے کمرے سے استقبالیہ پر فون کر کے کسی کو بلاتا ہوں مڑ کے دیکھا تو بروہی صاحب میری طرف آ رہے تھے۔ بولے۔

"سائیں عجیب معاملہ ہے کمرے اور چابی پر ایک ہی نمبر درج ہے مگر دروازہ نہیں کھل رہا۔

میں نے کہا' ادھر بھی یہی معاملہ ہے آیئے ہوٹل والوں سے بات کرتے ہیں' تھوڑی دیر میں ایک اٹینڈنٹ آیا کچھ دیر دروازوں اور چابیوں کو گھورتا رہا پھر اس نے 1102 نمبر میں 1103 کی چابی ڈالی گھمائی' عین ممکن ہے دل میں کچھ پڑھا بھی ہو دروازہ کھٹاک سے کھل گیا یہی الٹ پھیر کا عمل بروہی صاحب کے دروازے پر آزمایا گیا' وہ بھی کھل گیا' ہم دونوں نے پریشان سا ہو کر اس راز کی تفصیل جاننا چاہی مگر موصوف صرف یس' نو اور او کے تک انگریزی جانتے تھے کمرے میں آ کر استقبالیہ والوں سے بات کی مگر یاتو یہاں میری انگریزی تھوڑی ہو گئی یا پھر دوسری طرف کچھ مسئلہ تھا مجھے یاد آیا کہ مسافروں کی سہولت والے دفتر میں اپنا پاکستانی عزیز ناصر بھی تو کام کرتا ہے بلکہ اس شعبے کا انچارج ہے کیوں نہ اس سے مدد لی جائے' بہت خوش ہوا' میں نے چابیوں کا سارا واقعہ سنایا۔ میں ابھی آپ کو پتہ کر کے فون کرتا ہوں' میں نے بروہی صاحب کو ایک سچا واقعہ سنایا جسے اکثر دوست لطیفہ سمجھتے ہیں۔

کراچی میں میرے عزیز دوست اشرف شاہین کی Kodak Lab کی بالائی منزل پر پروگریسو ٹریڈرز والے برادران شیخ صدیق اور ادریس شیخ صاحبان نے ایک ریڈی میڈ گارمنٹس نما سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے کچھ عرصہ قبل امریکہ سے ان کا ایک خاصا اہم خریدار ایک بڑے آرڈر کی بکنگ کے لئے آیا جو ایک ایسا نوجوان سکھ تھا جو ہندوستان سے زیادہ امریکہ میں رہا تھا مختلف کپڑوں کا آرڈر دیتے ہوئے اس نے ایک آئیٹم لکھوائی۔

"اس کے بعد آپ لکھیں ایک ملین جینز یلو کلر کی۔

آرڈر لکھنے والے نے بے حد پریشانی سے اس کی طرف دیکھا کیونکہ اس نے آج تک زرد رنگ کی ایک جین کا بھی آرڈر نہیں

سنا تھا سردار جی نے بڑی خوشدلی سے ایک قہقہہ لگایا اور بڑی سادگی سے بولے۔

''ایک بات کا آپ نے خیال رکھا ہے میں جب بھی Yellow کہوں آپ نے Blue لکھنا ہے۔''

بروہی صاحب ہنستے ہوئے بولے۔

''میں اتنی دنیا گھوما ہوں مگر سکھوں جیسی دلچسپ اور زندہ دل قوم اور کوئی نہیں دیکھی۔''

فون کی گھنٹی بجی' ناصر تھا' اس نے بتایا کہ ایک دو دن پہلے چابیوں کے اندر نمبروں والے نئے سٹکرز لگائے گئے تھے غالباً اس وقت کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے میں نے متعلقہ شعبے میں شکایت لکھوادی ہے انشاء اللہ صبح یہ غلطی درست کردی جائے گی۔

میں نے کہا ''یعنی آج کی رات آپ ییلو کہیں گے اور ہم اسے بلیو سمجھیں گے۔''

بروہی صاحب نے جھوم کر داد دی۔ ''بیوٹی فل''

تھوڑی دیر میں یوسف عزیز آ گیا اس شیر کے بچے نے ذمہ داری اور مستعدی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے سب سے پہلے تو اس نے وارث ڈرامے کے چھ ویڈیو کیسٹ میرے سپرد کئے جن میں اس کھیل کو چینی زبان میں ڈب کیا گیا تھا یہ تحفہ تو چینی وزارت اطلاعات کا تھا مگر اس کے حصول کا سارا کریڈٹ یوسف عزیز کو جاتا تھا کیونکہ گزشتہ تین برس سے اس ضمن میں کی جانے والی ہر کارروائی ناکام ثابت ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ہم سب لوگوں کے لئے چین کے بارے میں بہت سا طبع شدہ مواد تھا جس میں ہماری فرمائش کی تمام چیزیں شامل تھیں ساتھ ہی اس نے بتایا کہ کل دوپہر کو پاکستانی سفارت خانے کی طرف سے کھانے کی باقاعدہ دعوت ہے جو ہے تو ایک چینی ہوٹل میں مگر ہمارے لئے وہاں کچھ خوشگوار حیرتوں کا بھی بندوبست ہوگا۔

رات کا کھانا حسب معمول سات بجے شام کھایا گیا طے پایا کہ آج ذرا لمبی سیر کی جائے سیر کے ساتھ لمبی کا سابقہ سنتے ہی منیر نیازی نے اس پروگرام سے اعلان لاتعلقی کر دیا ان کا کہنا تھا کہ نواز طائر نے جو مقامی جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئی دوائی انہیں دی ہے اسے کھانے کے بعد ان کے خواب بہت واضح' خوش رنگ اور مربوط ہو گئے ہیں اس لئے وہ جلد سو کر زیادہ خواب دیکھنے کی کوشش کریں گے۔

نواز طائر اپنے تحفے کی پذیرائی پر خوش تو بہت ہوئے لیکن بار بار کہتے رہے کہ اس دوائی کا خواب سے یہ تعلق ایک بالکل نیا انکشاف ہے۔ جانے سے پہلے منیر نیازی نے ایک بہت مزے کا لطیفہ سنایا۔

''ایک سردار جی شدید زخمی حالت میں گھر پہنچے اور اپنی حالت کی توجیہہ کچھ یوں بیان کی۔ میں ایک جگہ سے گزر رہا تھا کہ لوگوں کا

ہجوم نظر آیا میں نے دل میں کہا سردار چلو پتہ تو کریں کیا معاملہ ہے ابھی میں بھیڑ میں داخل ہوا ہی تھا کہ ایک آدمی نے دھکا دے کر مجھے زمین پر گرا دیا اور مکے مارنے شروع کر دیئے میں نے سوچا سردار ایہ تو کوئی گڑ بڑ معاملہ ہے' اتنے میں ایک آدمی نے اینٹ اٹھائی اور میرے سر پر ماردی دوسرے نے مجھ پر لاٹھیاں برسانا شروع کر دیں۔ میں نے کہا' سردار! بھاگ یہاں سے یہاں تو لڑائی ہو رہی ہے۔

تھیان من چوک تک ہمارے آگے آگے اجمل خٹک اور نواز طائر تھے جبکہ ہمارے گروپ میں حسن رضوی' عزیز بگتی اور یوسف عزیز تھے ڈاکٹر فرمان اور بروہی سب سے پچھلی صف میں تھے اور بتا چکے تھے کہ وہ تھیان من چوک تک کا ہی چکر لگائیں گے۔ مجھے اپنے بیٹے ذیشان کے لئے کچھ کپڑے خریدنے تھے سو ہم یوسف عزیز کی رہنمائی میں ایک ایسے سٹور کو ڈھونڈتے رہے جہاں مبینہ طور پر بچوں کے کپڑوں کی زبردست ورائٹی ملتی تھی وہ سٹور تو نہ مل سکا البتہ اس چکر میں ایڈوانس پارٹی یعنی اجمل خٹک اور نواز طائر بھی کہیں کھو گئے۔ تھیان من چوک کے دائیں ہاتھ سرکاری عمارتیں اور بائیں طرف بڑی بڑی مارکیٹیں ہیں ہم ایک لمبا چکر کاٹ کر مارکیٹ ایریا میں پہنچے تو رات کے دس بجنے والے تھے۔ بیشتر دکانیں بند ہو چکی تھیں مگر خلق خدا کی کثرت میں کوئی واضح تبدیلی نمایاں نہیں تھی ایک عمارت کا چکر کاٹا تو دور سے ایک ہم وطن سی شکل دکھائی دی تھوڑا فاصلہ کم ہوا تو کچھ شناسائی سی محسوس ہوئی قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ تو اپنا اے پی پی والا سیالکوٹیاں سجاد علی ہے کسی دیرینہ دوست سے ملاقات یوں بھی بہت پر لطف ہوتی ہے لیکن اگر وہ پردیس میں اور بالکل متوقع طور پر ہو تو اس کی خوشگواری دو گونہ بلکہ کئی گونہ ہو جاتی ہے کچھ فاصلے پر اس کی والدہ بیگم اور بچے غالباً اس کے انتظار میں سستا رہے تھے سجاد کی بیگم رفعت ناہید فاروقی معروف اور مقبول افسانہ نگار ہیں تدریس کے پیشے سے منسلک ہیں اور غالباً انہی دنوں کسی گرلز کالج میں پرنسپل مقرر ہوئی تھیں یا ہونے والی تھیں اور فی الوقت سجاد کے ساتھ لمبی چھٹی لے کر رو رہی تھیں انہوں نے فوراً ہی کھانے کی انتہائی پر زور دعوت دی اور بہت سے پاکستانی کھانے کھلانے کا وعدہ کیا دوستی اور دعوت کا خلوص اپنی جگہ مگر ٹرمپ کارڈ کھانے کا پاکستانی ہونا تھا سو ہم نے اس دعوت کو بخوشی قبول کر لیا' دن اور وقت کا تعین اگلے دن پر چھوڑ دیا گیا۔

ہوٹل پہنچے تو انتخاب عالم بہت دیر سے ہمارا انتظار کر رہا تھا' اس کے چہرے کی مسکراہٹ اتنی بڑی اور اس قدر تازہ تھی کہ اس کے ساتھ ہماری بھی تھکن اتر گئی' جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اچانک ٹی شوانگ عرف انتخاب عالم اس وقت غالباً پوری دنیا میں اردو کا بہترین' غیر ملکی شاعر ہے مگر اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کے اپنے ملک میں اردو سمجھنے والوں کی تعداد تین چار سو سے زیادہ نہیں اور ان میں بھی شاعری کے سامعین یا قارئین چالیس پچاس سے زیادہ نہیں ہوں گے سو پاکستان سے ادیبوں کے کسی وفد کی آمد اس کے لئے

گویا آب حیات کا پیالہ ہوتی ہے اب تک ہمیں اس سے اس کا تازہ کلام سننے کا موقع نہیں ملا تھا اس رات اس نے ہم سے بھی سنا اور اپنا کلام بھی جی بھر کر سنایا۔ ایک غزل مجھے زیادہ پسند آئی سو میں نے اس سے لکھوالی کسی غیر زبان کی صرف دو سال کی بنیادی تعلیم کے بعد اس میں اس طرح کے شعر کہہ لینا یقیناً کوئی معمولی بات نہیں۔

تمام برگ جھڑے موسم بہار آیا
تمام عمر گئی رنگ انتظار آیا

تمام پھول گرے پیڑ میں ثمر آئے
ذرا پھلوں میں بھرا رنگ سنگبار آیا

در مکاں پہ ذرا دی ہوا نے جب دستک
مجھے گماں یہ ہوا اب کہ میرا یار آیا

ہوئے جو خاک ستارے افق چمکنے لگا
جگر لہو جو ہوا شعر میں نکھار آیا

ملا کے ہاتھ ابھی جس سے ہم چلے آئے
اسی کے ہاتھ سے پیچھے سے ہم پہ وار آیا

چلو چلیں کہ کہیں جا کے کچھ سبو پی لیں
کہ شام لال ہوئی آنکھ میں خمار آیا

ابھی نجات غم روزگار سے پائی
خیال یار پر خواب پر سوار آیا

میں زندگی میں بہت عام تھا مگر مر کر
نوادرات میں عالم مرا شمار آیا

4 ستمبر کی صبح بیجنگ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے لئے وقف تھی' حال ہی میں یہاں سے نظیر صدیقی چند ماہ بطور صدر شعبہ گزار کر واپس گئے تھے۔ سرکاری وجہ تو خرابی صحت تھی لیکن معلوم ہوا کہ دراصل وہ چین سے اور چین ان سے خوش نہ تھا۔ یوسف عزیز کا کہنا تھا کہ سفارت خانے کی کوششوں کی وجہ سے اب اس پوسٹ میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ دلکشی پیدا ہوگئی ہے پاکستان کی حکومت نے یونیورسٹی کی تنخواہ کے علاوہ 1500 ڈالر ماہانہ خصوصی تنخواہ کے ساتھ ساتھ فرسٹ سیکرٹری کے سٹیٹس سے وابستہ تمام مراعات کا بندوبست بھی کیا ہے۔ ان دنوں میں جن تین احباب کے نام اس سلسلے میں زیادہ سنے جا رہے تھے ان میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی' انہی کے نمبر دو ڈاکٹر سہیل احمد خاں اور پنڈی کے شاعر اور استاد احسان اکبر کے نام شام تھے (قرعہ فال خواجہ زکریا کے نام نکلا) فی الوقت ہمارے ساتھی مترجم تھانگ کی بیگم صدر شعبہ کے فرائض سرانجام دے رہی تھیں جو خود ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا شاگرد رہ چکی ہیں اور اس وقت ان کے ماتحت ''شوہر نامدار'' تھانگ کے علاوہ ان کی اپنی استاد اور سابق صدر شعبہ شائی یوئین بھی کام کر رہی تھیں' شائی یوئین چین میں اردو طالب علموں کے سب سے پہلے گروہ سے تعلق رکھتی ہیں اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی شاگرد رہ چکی ہیں۔

بیجنگ یونیورسٹی میں شعبہ اردو 1934ء میں قائم ہوا اور 1958ء میں طلبہ کا پہلا گروہ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر بہت سے اداروں میں پھیل گیا جن میں سرکاری مترجم' ریڈیو بیجنگ' چین باتصویر' چائنہ نیوز اور غیر ملکی کتابوں کا اشاعت گھر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اب تک تقریباً ایک سو طلبہ یہاں سے تعلیم حاصل کر چکے ہیں شروع شروع میں صرف زبان پڑھائی جاتی تھی مگر اب ادب بھی پڑھاتے ہیں' مزید تعلیم کے لئے پاکستان میں ان طلبہ کو کراچی اور پنجاب یونیورسٹیوں کے شعبہ اردو کے علاوہ اسلام آباد کے ماڈرن انسٹی ٹیوٹ آف لینگویجز میں بھی بھجوایا جاتا ہے۔ یہاں پڑھائے جانے والے مضامین میں بنیادی اردو' اردو قواعد' تاریخ' ادب' زبانی ترجمہ' تحریری ترجمہ' اخبارات اور پاکستان کی تاریخ وثقافت شامل ہیں تدریس کے طریقوں میں روایتی انداز کے لیکچرز کے علاوہ وی سی آر کی وساطت سے Audio - Visual اور کیسٹ کہانیوں کے ذریعے آڈیو کی مدد سے بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ تھانگ کی بیگم نے بتایا کہ چند برس قبل مرزا ادیب کے گھر پر وہ مجھ سے مل چکی ہیں ان دنوں وہ اورینٹل کالج میں پڑھ رہی تھیں' ذہن پر زور دینے سے اتنا تو یاد آ گیا کہ مرزا ادیب کے گھر پر چینی طلبہ کے ایک گروپ سے ملاقات ہوئی تھی مگر اس سے آگے دھیان کی سلیٹ صاف

تھی اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ چینیوں کے چہروں کے نقوش میں اس قدر یکسانیت ہوتی ہے (یا شاید ہمیں لگتی ہے) کہ کئی کئی ملاقاتوں کے بعد بھی پہچان میں وقت ہوتی ہے مسز تھانگ کا قد عام چینی عورتوں کی نسبت قدرے لمبا ہے شخصیت میں دلکشی اور ٹھہراؤ ہے اردو قدرے اٹک اٹک کر مگر اچھی بولتی ہیں۔ شعبہ اردو داخل ہوتے ہی تھانگ کی ساری تیزی اور طراری رخصت ہوگئی ہم نے وجہ پوچھی تو ٹال گیا بہر حال ہمارا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ اس کی وجہ اس کا دفتر طور پر ماتحت ہونا نہیں ہے۔

یہاں ہماری ملاقات بی۔ اے کی تین گڑیا جیسی طالبات سے کروائی گئی جن کے اردو نام مریم' یاسمین اور پونم تھے ان کے ساتھ لڑکوں جیسا ایک دبلا پتلا نوجوان بیٹھا تھا بیگم تھانگ نے بڑے فخر سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ یہ شعبہ اردو کا پہلا طالب علم ہے جو یہاں سے ایم۔ اے کر رہا ہے اس کا اردو نام آفتاب تھا چونکہ ان دنوں یونیورسٹی چھٹیوں کی وجہ سے بند تھی اس لئے ہم باقی طلبہ سے نہ مل سکے۔

شعبے کی طرف سے ہمیں چند تدریسی کتب بھی پیش کی گئیں اور اس ضمن میں آئندہ پروگراموں سے بھی آگاہ کیا گیا فی الوقت ان کے مسائل ادبی کتابوں کی فراہمی' تحقیقی مواد کی کمی' کسی معتبر اردو استاد کی غیر موجودگی اور اردو چینی ڈکشنری کی تیاری تھے جن کی وجہ سے وہ اپنی پیش رفت میں دشواریوں کا سامنا کر رہے تھے اس شعبے کے تحت اب تک اردو ادب سے ترجمے کا بہت سا کام ہو چکا ہے جس میں مندرجہ ذیل کتابوں کے تراجم شامل ہیں۔

خدا کی بستی	(شوکت صدیقی)
اداس نسلیں	(عبداللہ حسین)
آنگن	(خدیجہ مستور)
انارکلی	(امتیاز علی تاج)
باغ و بہار	(میر امن دہلوی)

اس کے علاوہ احمد ندیم قاسمی کے افسانے' اردو کے منتخب افسانے اور پریم چند کی کہانیاں بھی ترجمہ ہو چکی ہیں بہت سے تحقیقی مقالے لکھے اور لکھوائے گئے ہیں جن میں کرشن چندر کے ناول ''شکست'' کا تحقیقی مطالعہ' اقبال کی شاعری' احمد ندیم قاسمی کی شاعری' جدید و قدیم اردو نثر' جدید و قدیم اردو شاعری کے موضوعات شامل ہیں۔

لغت چونکہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا محبوب موضوع ہے چنانچہ وہ اپنی شاگرد اور شعبے کی سابق صدر شوئی یونمین سے اس مسئلے پر

تفصیلی گفتگو کرتے رہے۔شوئی یونین نے کہا کہ اس کی عمر کا بیشتر حصہ اردو کی تعلیم وتدریس میں صرف ہوا ہے اور اب اس کی یہ شدید خواہش ہے کہ اس کے ریٹائر ہونے سے پہلے اردو چینی مشترکہ لغت مکمل ہو جائے ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ چین میں پاکستان کی واحد پی ایچ ڈی ڈاکٹر کوثر جمال آ گئیں۔کوثر جمال آج کل اسلام آباد کے جدید زبانوں کے ادارے میں پڑھاتی ہیں اور ان دنوں اپنے تحقیقی مقالے کے سلسلے میں کچھ کام کرنے کے لئے یہاں آئی ہوئی تھیں چند ہی منٹوں میں ہم لوگ آپس میں اس طرح گھل مل گئے جیسے برسوں سے ملاقات چلی آ رہی ہو کوثر بڑی ہنس مکھ ملنسار اور پڑھی لکھی خاتون ہیں میں نے کہا" آپ تو چین میں اس طرح رہتی ہیں جیسے یہ آپ کا دوسرا گھر ہو۔"

مسکرا کر بولیں۔میری آپ سے ملاقات تو پہلی ہے مگر میں آپ کے بارے میں بہت جانتی ہوں آپ براہ کرم مجھے رعایت لفظی کی مار نہ دیں اس "دوسرے گھر" سے آپ کی کیا مراد ہے؟

ان کے اس ایک جملے سے ہی اندازہ ہو گیا کہ بی بی اپنے ہی قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں سو اس کے بعد ان سے پر امن بقائے باہمی کا ایک خاموش معاہدہ ہو گیا جو آخر تک قائم رہا۔

دوپہر کو قائم مقام سفیر حسن سرمد کی طرف سے جس ہوٹل میں کھانا تھا وہاں ابتدا میں پی آئی اے کا سٹاف ٹھہرا کرتا تھا سو یہ لوگ پاکستانی کھانے پکانے میں بھی طاق تھے۔یوسف عزیز نے جن خوشگوار حیرتوں کا تذکرہ کیا تھا وہ یہی تھیں کہ یہاں ہمارے لئے پاکستانی کھانوں کا اہتمام تھا۔سو ہم نے خوب ڈٹ کر پراٹھے' تندوری روٹی' مٹر قیمہ' نرگسی کوفتے' انڈہ کری' سبزی اور تکے کھائے کبھی کبھی میں سوچتا ہوں انسان بھی کیا چیز ہے خدا کی اتنی بڑی دنیا میں بے شمار خلقت' طرح طرح کی نعمتیں مختلف طرح کی آب و ہوا اور سینکڑوں زبانیں ہیں لیکن اپنی برادری' قوم' زبان جغرافیے اور غذا کا لطف ہی کچھ اور ہے پردیس میں جہاں ان میں سے کسی چیز کی شباہت مل جائے ایک دم جیسے طبیعت میں فرحت سی آ جاتی ہے جدید وسائل رسل و رسائل کی وجہ سے دنیا یقیناً سکڑتی جا رہی ہے مگر غور کیا جائے تو فرد کے حوالے سے یہ دنیا کبھی بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔اسی بات کا ایک رخ قاسمی صاحب نے یوں بھی نظم کیا ہے۔

وہ اعتماد ہے مجھ کو سرشت انساں پر
کسی بھی شہر میں جاؤں غریب شہر نہیں

سفارت خانے کی دعوت اس قدر غیر رسمی اور بے تکلف تھی کہ اس کا بیشتر حصہ بہ آسانی سفارتی آداب کی خلاف ورزی کے ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے مجموعی اعتبار سے یہ ایک بہت پر لطف محفل تھی' سابق سفیر اکرم ذکی کا بہت ذکر رہا کہ وہ خود بھی شاعر ہیں اور

پاکستانی ادیبوں کے تمام وفود کی آمد پر مشاعرے کا ضرور اہتمام کرتے تھے حسن سرمد نے کہا کہ ان کی فیملی پاکستان گئی ہوئی ہے ورنہ وہ یہ دعوت اپنے گھر پر کرتے کچھ اور احباب کو بھی بلواتے اور اکرم ذکی صاحب کی قائم کردہ روایت کی تجدید بھی کرتے۔

ہم نے کہا آپ ہرگز اپنا دل میلا نہ کریں کیونکہ ہم کھانے کے بعد کی شعری نشستوں سے ''ٹکونک'' آ چکے ہیں یہ دورہ اس لحاظ سے بھی بہت خوشگوار ہے کہ اس میں کلام بعد از طعام سے ہمیں محفوظ رکھا گیا ہے بھرے ہوئے پیٹ والے سامعین کو یوں بھی شعرو شاعری کی کوئی خاص اشتہا نہیں ہوتی۔

ہمارے ملک کی ایک بدقسمتی یہ بھی رہی ہے کہ مغرب کی ذہنی غلامی کے باعث ہمارا رشتہ روس' چین اور تیسری دنیا کے ادب سے تقریباً منقطع رہا ہے ان کے اردو تو کیا انگریزی تراجم بھی عام قارئین کی پہنچ سے دور رکھے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم امریکہ اور یورپ کے تو تیسرے درجے کے ادب سے بھی واقف ہیں لیکن متذکرہ ممالک کا اول درجے کا ادب بھی چند مخصوص ناموں سے قطع نظر ہمارے لئے شجر ممنوعہ بنا رہا ہے اس صورتحال کا شعور تو پہلے بھی تھا مگر غیر ملکی کتابوں کے اشاعت گھر کی وزٹ کے دوران اس کی جو تفصیلات سامنے آئیں وہ بہت چونکا دینے والی تھیں۔

سفارت خانے کے لنچ سے فارغ ہو کر اڑھائی بجے جب ہم غیر ملکی زبانوں کے اشاعت گھر پہنچے تو ایک پندرہ سالہ لڑکے نے بڑی بامحاورہ اردو میں ہمارا استقبال کیا اور ہمیں عمارت کی چوتھی منزل کی طرف لے چلا جہاں اردو زبان کا شعبہ واقعہ تھا راستے میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے معلوم ہوا کہ موصوف کا نام چانگ شی خواہ اور عمر تقریباً 28 برس ہے۔ اسلام آباد انسٹی ٹیوٹ سے اردو کا کورس کرنے کے بعد اب گزشتہ تین برس سے اس اشاعت گھر سے منسلک ہیں۔

ادارے کا سربراہ تولی شنگ ہے اور سینئر ایڈیٹر وانگ شاؤ چی ہے جو بیجنگ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے والے پہلے گروپ میں شامل تھا یعنی اسے یہاں کام کرتے ہوئے 31 برس ہو چلے تھے سٹاف کے دوسرے ممبران چانگ چی شوئی نی شیاؤ خواہ (ہوا) اور ہمارا عمر چور گائیڈ چانگ شی خواہ تھے یہ شعبہ ایک بہت بڑے ادارے کا حصہ ہے جسے وزارت ثقافت کنٹرول کرتی ہے جو بہت سے رسائل بھی نکالتی ہے صرف چین باتصویر ہی اٹھارہ سے زیادہ زبانوں میں ایک ساتھ شائع ہوتا ہے اس کے شعبہ ترجمہ سے کلی یا جزوی طور پر بہت سے پاکستانی بھی منسلک رہے ہیں جن میں سے زیادہ مانوس اور نمایاں نام یار عزیز اور شاعر بے نظیر آفتاب اقبال شمیم کا ہے۔ حامد ہاشمی اور احفاظ الرحمان بمعہ اپنی بیگم مہ ناز رحمان کے بھی جانے پہچانے ہیں' ادارے کا اپنا جدید کمپیوٹرائزڈ پریس ہے جو دنیا کی تقریباً تمام زبانیں چھاپ سکتا ہے پہلے یہاں اردو نسخ کا خط ٹائپ میں استعمال ہوتا تھا مگر اب یہاں بھی نوری نستعلیق

رائج ہوگیا ہے یہ ادارہ جولائی 1957ء میں قائم کیا گیا تھا اور موجودہ سربراہ 1968ء سے یہاں کام کر رہا ہے ادارے کی کارکردگی کے بارے میں ہمیں بتایا گیا کہ اسے ماؤ کے ثقافتی انقلاب کے بعد سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور 1958 - 1966ء

اس دور میں بہت کم کتابیں شائع ہوئیں زیادہ تر مطبوعات کا تعلق ماؤ کی اپنی تصنیفات کے تراجم سے تھا۔

دوسرا دور 1966 - 1977ء

یہ زمانہ ماؤ کے ثقافتی انقلاب کے زیراثر گزرا اس میں زیادہ تر سیاسی کتابیں شائع کی گئیں۔ گیارہ برس میں کل 142 کتابیں طبع کی گئیں (چین میں ماؤ کے ثقافتی انقلاب پر تنقید کا رویہ عام ہے۔ اشاعت گھر سے متعلق لوگ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے)

تیسرا دور 1977 - 1986ء

ادب کے تراجم اور ترویج و ترقی کے اعتبار سے یہ دور بہترین سمجھا جاتا ہے اس دور میں کل 108 کتابیں طبع ہوئیں جن میں سے نوعیت کے اعتبار سے 32 ادبی 37 بچوں کی 29 معلوماتی اور سیاسی اور 10 کتابیں زندگی کے دیگر اہم پہلوؤں سے متعلق تھیں جن میں چین کے آخری بادشاہ کی کتاب "شہنشاہ سے عام شہری تک" اور عظیم زندہ مصنف "پا چین" کی کتابیں (جنگ افیون سے آزادی تک) بھی شامل ہیں' (پا چین کی ایک کتاب کا خصوصی نسخہ گزشتہ دنوں تیرہ ہزار یوان میں فروخت ہوا جس کی خبر ہم نے اخبار میں پڑھی تھی)

چوتھا دور تا حال 1986ء

پانچ برس کے اس مختصر عرصے میں 107 کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں انقلاب چین کے بزرگ رہنما وزیر ثقافت اور نامور ادیب ماؤ منگی تصنیفات خصوصیت قابل ذکر ہیں۔ عظیم چینی رہنما چو این لائی کی زندگی اور شخصیت کے بارے میں ایک کتاب عنقریب شائع ہونے والی تھی۔ پا چین کا مشہور ناول "گھرانہ" کے نام سے تکمیل کے آخری مراحل میں تھا اور احفاظ الرحمان کا ترجمہ کردہ چین کے سات اہم جدید افسانہ نگاروں کا ایک انتخاب بھی عنقریب شائع ہونے والا تھا۔

چالیس برس میں کل ملا کر 400 کتابیں اردو شعبے کے تحت شائع ہوئی تھیں جبکہ دیگر کئی زبانوں کے شعبوں کی کارکردگی اس سے کہیں زیادہ بہتر تھی' ہماری گفتگو اس صورتحال' اس کی وجوہات اور اسے بہتر بنانے کے طریقوں کے گرد گھومتی رہی' خٹک صاحب نے بدلتی ہوئی دنیا کے بدلتے ہوئے تقاضوں' کی روشنی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جبکہ بروہی صاحب تحفے میں ملی ہوئی کتابوں کو دیکھ

دیکھ کر "بیوٹی فل" کی گردان کرتے رہے۔

میری طبیعت میں کچھ گرانی سی تھی چنانچہ میں نے ہوٹل پہنچ کر تھانگ سے رات کے کھانے کے لئے معذرت کرنا چاہی اور کہا کہ میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں اس نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

"وہ تو آپ خود ہی کہا کرتے ہیں کہ ہمہ یاراں دوزخ' اب یہ آخری دو تین کھانے ہیں' انہیں بھی برداشت کر لیں۔

سو تو آپ یوں بھی نہیں سکیں گے

میں نے کہا۔۔۔وہ کیسے

بولا "یہ تو ممکن ہی نہیں کیونکہ میں ریڈیو بیجنگ کی پروڈیوسر رضیہ کو وقت دے چکا ہوں وہ آپ کا نیازی صاحب کا اور خٹک صاحب کا انٹرویو ریکارڈ کرنے آ رہی ہے۔"

میں نے کہا' کس سلسلے میں؟

بولا' جہاں تک مجھے علم ہے یہ تو آپ کے چین کے دورے کے تاثرات کے بارے میں ہو گا۔

رضیہ' لوشوئی لین کی جگہ ریڈیو بیجنگ کی اردو سروس کی نگران تھی اس نے بتایا کہ لو چند دن قبل پاکستان گیا ہے جہاں وہ ایک پاک چین مشترکہ تعمیراتی منصوبے میں افسر رابطہ کے طور پر کام کر رہا ہے۔ رضیہ بھی چند سال قبل پاکستان اردو پڑھنے آئی تھی۔ پاکستانی ادب اور ادیبوں کے بارے میں اس کا مطالعہ خاصا وسیع بھی تھا اور معیاری بھی' اسکا لہجہ بھی نسبتاً زیادہ رواں تھا جس کی وجہ غالباً اس کا ریڈیو کا تجربہ تھا' انٹرویو اگرچہ رسمی نوعیت کا تھا اور سوالات بھی سیدھے سادے تھے لیکن ایک حیرت کی بات رضیہ نے یہ بتائی کہ ان کی نشریات پاکستان میں اتنی زیادہ سنی جاتی ہیں کہ اس وقت تقریباً ڈیڑھ سو (150) لسنرز کلب ان کے پاس باقاعدہ رجسٹرڈ ہیں' جاتے ہوئے رضیہ نے چائنہ ریڈیو کا ایک دستی تھیلا مجھے تحفۃً پیش کیا ایسے ہی دو تھیلے وہ خٹک صاحب اور منیر نیازی کے لئے بھی لائی تھی۔

رضیہ ابھی رخصت ہوئی ہی تھی کہ سجاد آ گیا گفتگو مشترکہ دوست کارٹونسٹ جاوید اقبال کے ذکر سے شروع ہوئی جو گزشتہ دنوں شیخ رشید کے ساتھ صحافیوں کے وفد میں آیا تھا اور چین کی ثقافتی و سماجی حالت سے ہوتی ہوئی پاک چین تعلقات پر ختم ہوئی۔ ایک صحافی ہونے کے ناطے سجاد کا مطالعہ اور معلومات تاریخ اور حالات حاضرہ دونوں پر محیط تھی اس کے خیال میں اب چین اور پاکستان کے تعلقات میں اتنی گہرائی اور گرمجوشی نہیں ہے جتنی ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں تھی۔ چین اب نہ صرف ایک عالمی طاقت بن چکا ہے بلکہ

اس کے دروازے مشرق اور مغرب دونوں طرف کھلے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان بھی مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد روس اور امریکہ کی باہمی چپقلش میں سینڈوچ بنا ہوا ہے اور بھارت سے اپنے مستقل تنازعے اور جیو پولیٹیکل پوزیشن کے باعث اس کے خارجہ تعلقات میں وہ ہمواری پیدا نہیں ہو سکی جو کسی دوست پر مکمل بھروسے کی صورت میں پیدا ہوتی ہے' یہ بات میرے لئے بھی اطلاع تھی کہ پاک چین دوستی کے اولین مرحلوں میں پاکستان نے ٹیکنالوجی کے میدان میں چین کی بہت مدد کی تھی۔ ہم تو آج تک یہی سمجھتے آ رہے تھے کہ شروع سے صنعت اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں چین ہمارا مددگار رہا ہے۔ سجاد نے بتایا کہ پاک چین دوستی کی تاریخ میں ایوب خان کے دور کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور چین کی حکمران پارٹی کی سینئر نسل آج بھی مرحوم فیلڈ مارشل کا بہت احترام کرتی ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ گزشتہ دو برس میں اعجاز الحق' نواز شریف اور گوہر ایوب تینوں یہاں آئے ہیں مگر سب سے پرجوش استقبال گوہر ایوب کا کیا گیا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف کے سرکاری دورے اور صدر اسحاق کی ایشیائی کھیلوں میں آمد کو بھی وہ فرنٹ پیج کوریج نہیں ملی جو گوہر ایوب کو دی گئی اور اس کی واحد وجہ ان کا جنرل ایوب کا فرزند ہونا تھا۔

چین میں مسلمان آبادی کے باقاعدہ اعداد و شمار مرتب نہیں ہیں مگر ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف بیجنگ میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں سنکیانگ (ش کیانگ ۔ کاشغر) کا صوبہ تو ہے ہی مسلم آبادی کا صوبہ جس کا صدر مقام ارومچی ہے وہاں اسلامی تہذیب کا اتنا اثر ہے کہ عام چینی مسلمانوں سے دب کر رہتے ہیں۔ سجاد نے یہ بھی بتایا کہ چین نے روٹی کپڑا اور مکان کا مسئلہ بہت حد تک حل کر لیا ہے اور تمام ملک کے لئے ایک ہی سسٹم کے اطلاق میں بھی خاصی کامیابی حاصل کی ہے لیکن یہ معاشرہ مکمل طور پر برائیوں اور خرابیوں سے پاک نہیں' دیہاتوں میں عورتوں کی حالت اتنی اچھی نہیں اور بڑے بڑے شہروں میں بھی دنیا کے قدیم ترین پیشے کے تھوڑے بہت آثار موجود ہیں۔ ایک سوال جو میرے ذہن میں بہت دنوں سے اٹکا ہوا تھا سجاد کی گفتگو سن کر زبان پر آ گیا' میں نے پوچھا۔

''یار ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اگر یہاں ایک عام آدمی کی اوسط کمائی 200 یوان ماہوار ہے تو پھر یہ دکانوں اور سٹورز میں رکھی ہوئی اتنی مہنگی چیزیں یہ لوگ کیسے خریدتے ہیں۔

سجاد نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آمدنی سے روٹی کپڑے اور مکان پر فی کس ساٹھ یوان ماہانہ سے زیادہ خرچ نہیں آتا کیونکہ ان چیزوں کی فراہمی حکومت کے ذمہ ہے اور اس نے ان کی قیمتوں پر کنٹرول کر رکھا ہے' تعلیم اور طبی سہولت بھی فری ہے' ایک بچہ فی خاندان کی پابندی کے باعث خاندانوں پر اضافی بوجھ بھی نہیں پڑتا اور تقریباً ہر بالغ فرد کماتا ہے۔ سو یہ لوگ اپنی اپنی آمدنی

میں سے تقریباً آدھی رقم بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر اسی بچت کو جمع کر کے آہستہ آہستہ اپنی خواہش اور آرائش کی چیزیں خریدتے رہتے ہیں تم نے دکانوں اور سامان کی کثرت تو دیکھی ہے لیکن غالباً آبادی کی تعداد کو ذہن میں نہیں رکھا جو ایک ارب کو چھو رہی ہے۔

سجاد کے جانے اور رات کے کھانے کے بعد میں نے احباب کو اپنے تازہ تازہ حاصل کردہ علم سے بہت مرعوب کیا' بہت دیر تک ہم لوگ اپنے اور چین کے معاشرے کا تقابلی جائزہ لیتے رہے اور اس بات پر بحث کرتے رہے کہ اگر چین اپنے محدود وسائل اور بے شمار آبادی کے باوجود اپنے مسائل کو اس قدر کم کر سکتا ہے تو ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے' بروہی صاحب نے دوران گفتگو ایک واقعہ سنایا جو اگرچہ خاصا پریشان کن ہے لیکن ہے سوچنے کے لائق۔

''بیس سال پہلے میں لندن میں ایک ٹیوب میں سفر کر رہا تھا میرے ساتھ ایک موٹی اور بوڑھی عورت بھی تھی جس کے ساتھ خاصا سامان تھا۔ اترتے وقت اس سامان کی وجہ سے اسے خاصی پریشانی تھی میں نے آگے بڑھ کر اسکی مدد کی اور اسے سامان سمیت اتار دیا وہ بہت خوش ہوئی اور بہت سارا شکریہ ادا کرنے کے بعد پوچھا کہ تم کہاں کے ہو میں نے بتایا کہ پاکستانی ہوں تو بولی لفظ پاکستان کا مطلب کیا ہے میں نے کہا پاک لوگوں کی سرزمین' بولی بالکل ٹھیک نام رکھا ہے تم لوگ واقعی نیک پاک اور اچھے انسان ہو۔ میں ضرور تمہارا ملک دیکھنے آؤں گی' بیس برس سے وہ ہر سال مجھے باقاعدہ کرسمس کارڈ بھیجتی ہے اور اپنی خواہش کو دہراتی ہے اور میں یہ سوچ کر لرزتا رہتا ہوں کہ اگر وہ سچ مچ آ گئی اور اس نے ہماری حالت دیکھ لی تو کیا ہوگا؟

رات دو بجے اچانک میری آنکھ کھل گئی چاروں طرف خاموشی تھی کمرے کا درجہ حرارت بھی بہت خوشگوار تھا میں نے لائٹ جلائی اور کچھ پڑھنے کی کوشش کی مگر طبیعت میں کچھ عجیب سی بے کلی تھی سوچا چلو تھوڑی دیر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر بیجنگ کی رات کا منظر دیکھتے ہیں ایک بھولی بھٹکی نظم پتہ نہیں کہاں سے دھیان میں در آئی۔

جاگتی آنکھ کا ہر بھید پتہ ہے اس کو
یہ الگ بات کہ کچھ منہ سے نہیں بولتی رات
شہر در بند سے ٹکرا کے فنا ہو جاتے
ہم پہ یہ ریشمی باہیں نہ اگر کھولتی رات

اب جو پردہ ہٹایا ہے تو منظر ہی کچھ اور تھا دور تا حد نظر شہر بارش میں نہا رہا تھا۔ جلدی سے کھڑکی کھولی تو ہوا کے بھیگے ہوئے جھونکوں

کے ساتھ بارش کی مخصوص آواز کانوں میں رس گھولنے لگی۔ رات کی خاموشی میں بارش کی آواز ہمیشہ سے میری بہت بڑی کمزوری رہی ہے۔ بچے کی ہنسی کے بعد یہ دوسری آواز ہے جس کو سن کر جیسے میری روح بیدار اور تازہ ہو جاتی ہے' پتہ نہیں کتنی دیر تک میں بارش میں بھیگتے لمبے لمبے درختوں' خاموش مکانوں کی چھتوں اور ایک بھیگتی سڑک سے اکا دکا گزرتی ہوئی ٹریفک کو دیکھتا رہا ساری کائنات جیسے سمٹ کر اسی ایک منظر کا حصہ بن گئی تھی۔ زمان و مکان کے فاصلے آپس میں گڈمڈ ہونے لگے کتنے ہی چہروں اور خیالوں کی پرچھائیاں یاد کی سکرین پر لرزنے لگیں بارش بہت ہموار اور آہستہ تھی بالکل چینیوں کے مزاج کی طرح' اس میں وہ جوش اور وفور نہیں تھا جس کی شدت سے تمثال بناتے ہوئے میر صاحب پکار اٹھے تھے۔

کن نیندوں اب تو سوتی ہے اے چشم گریہ ناک
مژگاں تو کھول' شہر کو سیلاب لے گیا

میز پر پاؤں رکھے اور صوفے میں تقریباً لیٹے ہوئے میں اردو شاعری میں بادل اور بارش کے متعلقات کی وسعت کے بارے میں سوچنے لگا اسی غور و فکر کے دوران پتہ نہیں کب نیند آ گئی اس بار آنکھ غالباً سردی کی وجہ سے کھلی' ساڑھے پانچ بج رہے تھے صبح کے دھندلے میں ڈوبے ہوئے بیجنگ میں زندگی آہستہ آہستہ جاگ رہی تھی اور درختوں کے پتے اس قدر تر و تازہ اور نکھرے ہوئے تھے کہ ان کی طراوٹ فاصلے کے باوجود جیسے رگوں میں پھیلتی جا رہی تھی پتہ نہیں کہاں سے سورہ الرحمٰن کی مرکزی آیت ایک سرمدی نغمے کی طرح ذہن میں گونجنے لگی۔

"تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"

بیجنگ شہر میں اگرچہ سب سے زیادہ قیام رہا تھا لیکن صحیح معنوں میں اس سے یہ میری پہلی ہم کلامی تھی جی میں آئی کہ ایک نظم اس کے نام بھی ہونی چاہئے یہاں بھی علامہ اقبال کام آئے اور "ساقی نامہ" کے ایک شعر نے نظم کے لئے راستہ بنا دیا۔

سجاد حسب وعدہ صبح نو بجے اپنی کار لے کر چین کی عوامی شاپنگ کرانے پہنچ گیا اس نے بتایا کہ غیر ملکیوں کے لئے قائم کردہ فرینڈشپ سٹور اور عام شاپنگ سٹورز میں قیمتیں لاہور کی لبرٹی' مال اور انارکلی کی طرح ہوتی ہیں سستی اور اچھی شاپنگ کے لئے یہاں بھی مخصوص علاقے ہیں جہاں مول تول کے ذریعے دس یوان کی چیز چار پانچ یوان میں مل جاتی ہے اور ورائٹی بھی بے شمار ہے۔ آپ لوگوں کے پاس چونکہ F.E.C کرنسی ہے جس کا مارکیٹ ریٹ عام کرنسی سے 10 فیصد زیادہ ہے اس لئے آپ کو وہاں چیزیں اور بھی سستی ملیں گی۔

میں نے کہا کیا ہم بات چیت کے لئے تھانگ کو ساتھ لے لیں۔

بولا نہیں گزارے لائق چینی مجھے بھی آتی ہے۔

اس پر میں نے اسے اپنے بزرگوں کے ساتھ بیتا ہوا ایک واقعہ سنایا کہ کس طرح اس صدی کے آغاز میں جب بحری جہازوں کے ذریعے حج میں کئی کئی مہینے لگتے تھے میرے دادا اور دادی لاہور کے مشہور عینک ساز ان حاجی ایس امیر دین اینڈ سنز والے حاجی امیر دین اور ان کی بیگم کے ہمراہ حج پر گئے تھے۔ سعودی عرب کے وہ مفلسی کے دن تھے اور حج کا سیزن ان کی معیشت کے لئے ایک بہت اہم موقع ہوتا تھا' بیچنے کے لئے چونکہ زیادہ تر روزمرہ کی اشیائے خوردنی ہی مہیا تھیں' اس لئے وہ سارا منافع انہی میں سے کمانے کے چکر میں رہتے تھے دوسری طرف حجاج کرام بھی طویل قیام کی وجہ سے تھوڑی بہت عربی سیکھ لیتے تھے لہٰذا بازاروں میں مول تول پر خوب گفتگو رہتی تھی ایسی ہی ایک گفتگو کے دوران حاجی امیر دین صاحب کی عربی ختم ہوگئی وہ کہنا یہ چاہ رہے تھے کہ تم بہت زیادہ پیسے مانگ رہے ہو اور یہ سراسر زیادتی ہے اس بات کو انہوں نے اپنی طرف سے عربی میں کچھ یوں کہا۔

''یا شیخ۔۔۔۔ یا شیخ۔۔۔۔ یا شیخ' انج ای ہماری سنگھی گھٹ سنو۔

(اس سے تو بہتر ہے کہ تم ہماری گردن ہی دبا دو)

سجاد بہت ہنسا اور کہنے لگے میری چینی اس سے بہت بہتر ہے۔

اب اس کی چینی کا بھی سن لیجئے جب ہم ایک بہت لمبی راہداری نما جگہ میں داخل ہوئے جس کے دونوں طرف "6 x 6" فٹ کی کھوکھا نما دکانیں تاحد نظر چلتی جا رہی تھیں تو اس نے ایک دکاندار سے دو جملے چینی کے بولنے کے بعد بڑی بے ساختگی سے کہا (اردو میں)

چند قدم آگے چل کر اس نے ایک اور دکاندار سے جو ایک خوش وضع سی لڑکی تھی' بالکل اسی طرح دو جملے چینی کے بولے اور پھر مجھے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

''یار۔۔۔۔ پچھلے ہفتے تم نے اس کے سات یوان مانگے تھے۔''

میرا حسن اور بروی کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا اسی ہنسی ہنسی میں ہم نے بہت سی ایسی چیزیں بھی خرید لیں جن کا ہوٹل پہنچ کر کوئی جواز سمجھ میں نہ آسکا۔

اس کے بعد ایک سلک سٹور پر گئے جہاں مردانہ سلک کی بھی وافر ورائٹی تھی مگر قیمتیں اتنی زیادہ اور رنگ اتنے شوخ تھے کہ انہیں

پہننے کے لئے کم از کم برادرم نعیم بخاری جتنا خوش رو یا دلدار بھٹی جتنا پاپولر ہونا ضروری تھا کہ اس کے بغیر نہ ایسے رنگ پہننے کا مزا ہے اور نہ ہی دیکھنے والے اسے آسانی سے قبول کرتے ہیں۔

حسن جب سے آیا تھا اپنے بیٹے کے لئے ائیر گن کی تلاش میں تھا مگر تھا نگ' چن' یوسف عزیز اور اب سجاد کی کوششوں کے باوجود اس کا انتظام نہ ہو سکا معلوم ہوا کہ دو سال پہلے تھیان من چوک میں ہونے والے طلبہ مظاہرے کے بعد سے اب ہر قسم کے اسلحے کے لئے بشمول ائیر گن خصوصی پرمٹ بنوانا پڑتا ہے اور پھر اسے ائیر پورٹ سے گزارنے کے لئے بھی خصوصی اجازت نامہ چاہئے ہوگا جس کا حصول فی الوقت خاصا مشکل ہے۔

حسن بادل نخواستہ ائیر گن کے آئیڈیے سے تو دستبردار ہو گیا مگر اب اس پہ ڈنر سیٹ کی دھن سوار ہو گئی میں نے اسے سامان کے حجم اور وزن سے ڈرانے کی کوشش کی مگر جب اسے پتہ چلا کہ عبدالقادر حسن اور عطاء الحق قاسمی بھی گزشتہ دنوں یہاں سے ڈنر سیٹ لے جا چکے ہیں تو بقول شخصے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ سجاد نے بتایا کہ کراکری کے ایک بہت بڑے سٹور کی عمارت کی تعمیر نو ہو رہی ہے اور اس کا سامان عارضی طور پر اس کے ایک حصے میں منتقل کر دیا گیا ہے وہاں ورائٹی تو شاید زیادہ نہ ہو لیکن چیز اچھی اور مناسب قیمت میں مل جائے گی اس بار سجاد کا اندازہ تقریباً صحیح تھا یعنی قیمت واقعی مناسب تھی۔

ہوٹل میں باقی لوگ ہم سے بھی لیٹ پہنچے اس لئے وہ سب بہانے دھرے کے دھرے رہ گئے جو ہم نے بڑی محنت اور تخلیقی صلاحیت سے کام لے کر تیار کئے تھے یہ اور بات ہے کہ ہمارے بعد آنے والوں نے کسی قسم کی معذرت کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کھانے کی میز پر سب لوگ خوشگوار موڈ میں تھے جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اب ہم سرکاری مصروفیات سے فارغ ہو چکے تھے اور اپنے پروگراموں اور ترجیحات کے سلسلے میں پرندوں کی طرح آزاد تھے' نواز طائر اور منیر نیازی میں گاڑی چھن رہی تھی کیونکہ دونوں کا مشترکہ منصوبہ چین کی مقامی جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ ٹانکوں اور دوائیوں کی تلاش تھی جن کی فرمائش بقول ان کے' ان کے دوستوں نے کر رکھی تھی۔

نیازی صاحب نے بتایا کہ گزشتہ رات انہیں خواب پہلے سے بھی زیادہ روشن' مربوط اور صاف دکھائی دیئے اور یہ سب کمال اسی دوائی کا ہے جو انہیں پروفیسر طائر نے بطور تحفہ پیش کی تھی' منیر نیازی اس وقت ایسے خوشگوار موڈ میں تھے کہ انہوں نے خٹک صاحب کو بھی نہیں بخشا اور دو چار بہت دلچسپ جملے ان کی طرف بھی لڑھکا دیئے۔ خٹک صاحب کے چہرے پر بچوں جیسی مسکراہٹ لہرانے لگی۔ بولے۔

"خدا کا شکر ہے' مجھ سے بھی کسی نے ہنسی مذاق کی بات کی ہے عمر کے ساتھ ساتھ آدمی اس طرح کی باتوں کو ترس جاتا ہے اور پھر آپ لوگوں نے تو لیڈر بنا کر مجھے گویا اپنی صف سے ہی علیحدہ کر دیا ہے' یار اب میں اتنا بڈھا بھی نہیں ہوں۔"

بروہی نے جھوم کر "بیوٹی فل" کا نعرہ لگایا اور بولے۔

"یہ آپ نے میرے بھی دل کی بات کی ہے' ایک مذہبی بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ زندگی آپ کو کوئی حسرت تو نہیں' وہ بڑے دکھ سے بولے' یوں تو اللہ کی بہت رحمت رہی ہے لیکن اس خاندانی بزرگی کے باعث ایک حسرت پوری نہیں ہو سکی اور وہ یہ کہ آج تک مجھ کو کسی نے کوئی کام کرنے کے لئے نہیں کہا' میرے کان اس آواز کو سننے کے لئے ترستے ہی رہے ہیں کہ کوئی مجھے کسی چیز کو اٹھانے' لانے یا بنانے کے لئے کہے۔"

میں نے کہا' بروہی صاحب اس پر تو میرا دل آپ سے ایک بات کہنے کو چاہ رہا ہے۔

بولے' کیا؟

میں نے کہا۔ بیوٹی فل۔

بیجنگ کے پہلے قیام کے دوران ہم نے انتخاب عالم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ایک شام اس کے گھر کھانا کھائیں گے لیکن پھر کچھ ایسا چکر چلا کہ ایفا کی نوبت نہ آ سکی' یہ ہمارے چین میں قیام کی آخری رات تھی اس لئے ہم نے اجمل خٹک کی معرفت اور تھانگ کی وساطت سے چھن تک یہ بات پہنچائی کیونکہ پروٹوکول کا تقاضا یہی تھا کہ ہم میزبانوں کو اطلاع دیئے بغیر اپنی طرف سے کوئی کمٹ منٹ نہ کریں چھن اور تھانگ کی ہچکچاہٹ سے اندازہ ہوا کہ یہاں بھی کسی نہ کسی طرح کی مقامی سیاست چل رہی ہے۔ انتخاب عالم کی پاکستان میں مقبولیت اور ہم لوگوں کے ساتھ غیر معمولی قربت غالباً رائٹرز یونین کے نمائندوں کو (جو کہ ہمارے اصل میزبان تھے) زیادہ پسند نہیں تھی مگر جب خٹک صاحب نے اپنے مخصوص پٹھانی انداز میں کہا کہ ہم کسی کی دعوت رد نہیں کیا کرتے تو انہوں نے سر تسلیم ختم کر دیا۔

سہ پہر کو ٹی وی پر یو ایس اوپن کا لیڈیز سنگل سیمی فائنل دیکھا مارٹینا نیوراتیلوا اور چینی کھلاڑی سانچز کے درمیان مقابلہ ہو رہا تھا سانچز کا بھائی اسی دن صبح سٹیفن ایڈبرگ سے کوارٹر فائنل میں ہارا تھا اور اب تماشائیوں میں بیٹھا اپنی بہن کو ہارتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ٹی وی کے مبصر اور کمنٹیٹر ایک ہی دن میں دو خوابوں کی شکست پر بڑے دلچسپ انداز میں تبصرے کر رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ سنٹر سٹیج میں رہنے اور اس سے ہٹنے میں کس قدر کم فاصلہ ہے مگر اسی پلک جھپکنے کے وقفے میں کس طرح انسانوں کی زندگیوں کے رخ

بدل جاتے ہیں۔

چانگ کا گھر ہوسٹل سے تقریباً بیس کلومیٹر دور تھا اور یہ فاصلہ وہ سائیکل پر اتنی سہولت اور خوشی سے طے کرتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی ہم سے ملنے کے لئے اسے ایک دن میں دو چکر لگانے پڑتے تھے مگر مجال ہے جو اس کی خندہ روئی میں رتی برابر بھی فرق آ جائے۔ راستے میں ہم پھر اس بازار سے گزرے جس کے ایک کنارے پر واقع عمارت میں جاپانی فوج کا ہیڈ کوارٹر ہوا کرتا تھا' سجاد کے بقول جب کبھی چینی بغاوت کی کوشش کرتے اور یہاں جمع ہوتے تو جاپانی توپ کا صرف ایک گولہ داغتے تھے کچھ لوگ مرتے باقی خاموشی سے گھروں کو چلے جاتے اور بغاوت فرو ہو جاتی اب چینی ایک بہت بہادر اور منظم قوم بن چکے ہیں لیکن ان کی فطرت کی یہ نرم روی اور تابعداری اب بھی ان کے اجتماعی مزاج کا حصہ ہے۔

چانگ کا گھر اصل میں ایک بڑی اور سادہ عمارت کی تیسری منزل پر واقع ایک مختصر سا فلیٹ تھا جس کی ہر منزل کی سیڑھیوں پر ریلنگ کے ساتھ بہت سی سائیکلیں لٹک رہی تھیں معلوم ہوا کہ یہی ان کی پارکنگ ہے چانگ کی بیوی بھی اس کے ساتھ تقریباً دو برس پاکستان رہ چکی ہے سو اس نے ہمارے لئے کچھ پاکستانی ڈشیں بھی بنائی تھیں ہم نے اسے بیماری سے صحت یابی پر مبارکباد دی تو بہت خوش ہوئی چانگ کا اکلوتا بیٹا تھوڑی دیر کے لئے آیا مگر ہمارے قہقہوں سے پریشان سا ہو کر واپس چلا گیا چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں دس بارہ آدمی بھی ایک ہجوم لگ رہے تھے تھانگ نے بتایا کہ انتخاب عالم کا گھر اس کے گریڈ کے اعتبار سے خاصا خوشحال ہے کہ اس میں ٹی وی کے ساتھ ساتھ وی سی آر بھی ہے ہم نے ان چیزوں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو معلوم ہوا کہ کپڑے کے غلافوں سے ڈھکے ہوئے دو ڈبے اصل میں ٹی وی اور وی سی آر ہیں دیوار گیر گھڑی پر بھی سیلوفین چڑھا ہوا تھا جس نے ان چیزوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تھا چانگ نے سب کو اپنے چینی باتصویر کے تازہ پرچے پیش کئے اور بتایا کہ ایک دو سال کے اندر اس کی ترقی ہونے والی ہے پھر اسے دو کے بجائے تین کمروں والا گھر مل جائے گا اس دوران میں اس کے بیٹے کو بھی علیحدہ گھر مل جائے گا تب اس کے پاس ان سب چیزوں اور کتابوں کے رکھنے کے لئے بھی جگہ نکل آئے گی جو فی الوقت بند پڑی ہیں اس کے لہجے میں بشاشت اور آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے وہ اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھتا ہے کہ اسے اتنی بہت ساری نعمتیں حاصل ہیں میں نے سوچا ہمارے اس کے ہم رتبہ آدمی کئی گنا بہتر معیار زندگی اور سہولیات کے حامل ہیں مگر ہر وقت جلے بھنے اور معاشرے کے شاکی رہتے ہیں کاروں میں پھرتے اور اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں کھانے کھاتے ہیں مگر ملک پر تنقید کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور یہ شخص ہے کہ سائیکل پر روزانہ کم از کم چالیس میل آتا جاتا ہے مگر ہر وقت مسکراتا رہتا ہے۔

تھانگ کی طبیعت اچھی نہیں تھی ہم نے اسے مشورہ دیا کہ اب ہم ہوٹل میں اس کے بغیر بھی گزارہ کر سکتے ہیں لہٰذا بہتر ہے کہ وہ گھر چلا جائے پہلے تو اس نے انکار کیا مگر جب راستے میں چھن اپنے گھر اتر گیا تو اس نے بھی کچھ سوچ کر ہاں کر دی البتہ ہوٹل میں رخصت سے پہلے یہ بتا کر ہماری طبیعت بھی خراب کرتا گیا کہ فلائٹ کے بارے میں آٹھ گھنٹے کی تاخیر کی اطلاع ملی ہے اور یہ وقت بڑھ بھی سکتا ہے۔

جہاز کے لیٹ ہونے کی وجہ سے چھ ستمبر کا دن شام تک بالکل فارغ ہو گیا چنانچہ طے پایا کہ سجاد کی وہ دعوت قبول کر لی جائے جو گزشتہ دو دنوں سے معرض التوا میں پڑی ہوئی تھی اور دوپہر کو جمعے کی نماز کی وساطت سے بیجنگ کی مسجد بھی دیکھ لی جائے' کھانے میں ہم تین آدمی یعنی حسن' بروہی اور میں مدعو تھے ہمیں لینے کے لئے کوثر جمال نے آنا تھا کیونکہ سجاد اپنی بیگم کے ساتھ دعوت کے انتظامات میں مصروف تھا' پیکنگ وغیرہ سے چونکہ گزشتہ روز ہی فارغ ہو چکے تھے اس لئے طے پایا کہ کمرے میں آرام سے بیٹھ کر یو ایس اوپن کا کوارٹر فائنل میچ دیکھا جائے جو 39 سالہ جمی کارنرز اور ہیری ہیس کے درمیان ایک ایک سیٹ سے برابر جا رہا تھا حسن نے کہا کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کچھ مزید شاپنگ کرنا چاہتا ہے کیونکہ اسے اپنے اخبار ''جنگ'' میں اوپر سے نیچے تک بہت سے لوگوں کو تحفے دینے پڑتے ہیں اس نے بروہی صاحب کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر راضی کر لیا اور وہ دونوں گیارہ بجے تک واپسی کا وعدہ کر کے کھسک لئے ادھر چار سیٹ کے شدید مقابلے کے بعد جمی کانرز تماشائیوں کی بھرپور سپورٹ کے بعد میچ جیتا ادھر دروازے پر دستک ہوئی اور ڈاکٹر کوثر پتلون اور پھولدار قمیض میں ملبوس مسکراتی ہوئی داخل ہوئی پیچھے پیچھے حسن اور بروہی تھے معلوم ہوا کہ موصوفہ ان کے ساتھ بطور شاپنگ گائیڈ کے ڈیوٹی دے رہی تھیں۔

سجاد کا فلیٹ خاصا بڑا اور خوبصورت تھا جس کی ہر چیز خاتون خانہ کے حسن ذوق اور صاحب خانہ کی گھر میں دلچسپی کی آئینہ دار تھی معلوم ہوا کہ یہ علاقہ Diplomatic Enclave ہے اور سجاد کے لئے بطور صحافی اس لئے بھی بہت موزوں ہے کہ مختلف ملکوں کے سفارت کاروں سے ملاقات کا موقع ملتا رہتا ہے کھانے پر بیجنگ کے پاکستانی سکول کے پرنسپل کے علاوہ پاکستان ہاکی ٹیم کے سابقہ گول کیپر اور پی آئی اے کے موجودہ سٹیشن منیجر قمر علی خان بھی مدعو تھے رفعت بھائی نے قبل از طعام ماکولات و مشروبات کا کچھ ایسا عمدہ بندوبست کر رکھا تھا کہ کھانے سے پہلے ہی پیٹ بھر سا گیا سو طے پایا کہ کھانا جمعے کی نماز کے بعد کھایا جائے۔

مسجد گھر سے قریب ہی تھی اور اس کا نام ملحقہ ریتان پارک کے حوالے سے Ritan Mosque تھا سجاد نے بتایا کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک کے سفارت کار جمعے کی نماز یہیں پڑھتے ہیں' مسجد کے مرکزی دروازے کے بعد ایک چھوٹا سا صحن تھا اس کے بعد

ایک ہال نما بڑا سا کمرہ تھا جس میں مختلف قومیتوں کے تقریباً سوا سو نمازی جمع تھے مگر حیران کن بات یہ تھی کہ خطیب صاحب ہال کے عین وسط میں ایک راسٹرم پر قرآن مجید رکھے چینی میں وعظ کر رہے تھے اور نمازی ان کے اردگرد چاروں طرف یعنی ان سے آگے بھی بیٹھے تھے وعظ ختم ہوا تو پیش امام صاحب قریب رکھے ہوئے پانچ سیڑھیوں والے منبر کے وسط میں کھڑے ہوکر کتاب سے خطبہ پڑھنے لگے ان کی عمر بہت کم اور صورت ہمارے عزیز دوست اور نامور افسانہ نگار منشا یاد سے ملتی جلتی تھی' یہ ایک ایسا عجیب وغریب اور انوکھا ماحول تھا کہ بے اختیار علامہ اقبال یاد آنے لگے اتحاد بین المسلمین کا ایسا خوبصورت مظاہرہ کم ازکم میری نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا اس نماز کی ایک اور بات سورۂ فاتحہ کی قرات کے بعد نمازیوں کا عربوں کی طرح بہ آواز بلند اور یک زبان ہوکر ''آمین'' کہنا تھا جو پتہ نہیں کیوں مجھے بہت ہی اچھا لگتا ہے۔

نماز کے بعد مسجد سے کار تک جاتے ہوئے کچھ ایسے منظر دیکھے کہ طبیعت پر بوجھ سا پڑ گیا مسجد کی حالت بھی کوئی خاص اچھی نہیں تھی لیکن اس سے ملحقہ مسلمانوں کا محلہ تو چیخ چیخ کر اپنی بدحالی کی داستان سنا رہا تھا۔

اگرچہ گزشتہ پندرہ دنوں میں ہمیں تین چار فقیر اور کچھ نشئی مانگنے والے نظر آئے تھے مگر یہاں ایک ساتھ دس بارہ گداگروں سے واسطہ پڑا جن میں چھوٹے بچوں سے لے کر ایک بہت بوڑھی مائی تک ہر عمر کے لوگ شامل تھے چند قدم آگے ایک گلی کے موڑ پر بکرا ذبح کیا جا رہا تھا اور چینی مسلمان ہم لوگوں کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے ہم ان کے دینی بھائی نہیں کسی اور دنیا کی مخلوق تھے نیل کے ساحل سے لے تا بخاک کاشغر ایک ہونے والے مسلمان صحن مسجد سے نکلتے ہی ''کئی'' ہو چکے تھے۔

مزیدار اور پر تکلف کھانے کے دوران گفتگو کا رخ پتہ نہیں کس طرح کھیلوں کی طرف ہو گیا میں نے قمر علی خاں سے قومی ہاکی ٹیم کے زوال کے اسباب پوچھے انہوں نے اپنے مخصوص لطیف انداز میں اس کے کچھ ایسے پہلو بتائے جو دل کو تو بہت لگے مگر چونکہ ان کے بیان میں سراسر فساد خلق کا اندیشہ ہے اور مجھے بہت سی باتیں صحیح سیاق وسباق میں یاد بھی نہیں رہیں اس لئے ان کا ذکر نہ کرنا ہی مناسب ہے۔

میں نے بتایا کہ کچھ عرصہ قبل مجھے ٹی وی کے پروگرام ''مہمان خصوصی'' میں بریگیڈیئر عاطف کے ساتھ شرکت کا موقع ملا ان کا کہنا تھا کہ میکسیکو اور لاس اینجلس کے اولمپکس میں پاکستانی ٹیم کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ ہر بڑی کامیابی کے بعد وہ پوری ٹیم بدل دیتے تھے اور یوں بہت کم کھلاڑی ان کے زمانے میں دو سے زیادہ اولمپکس کھیل پائے' قمر علی خاں نے اس پر بہت دلچسپ تبصرہ کیا کہ اگر بریگیڈیئر صاحب کے پیش رو بھی یہی طریقہ استعمال کرتے تو نہیں کیا لگتا اور وہ بیس سال تک قومی سطح پر ہاکی کیسے کھیلتے۔

عاطف صاحب چونکہ ہماری افسانہ نگار دوست پروین عاطف کے میاں اور عزیزم شکوہ عاطف کے والدین اس لئے میں نے

ان کی تھیوری کے بقیہ پہلوؤں سے صرف نظر ہی مناسب سمجھا۔

قمر علی خاں نے کرنل آئی ایس دارا کے حوالے سے ایک بہت دلچسپ واقعہ سنایا' پاکستانی ہاکی ٹیم کا ابتدائی دور تھا کسی بڑے ٹورنامنٹ کے اختتام پر میزبانوں کی طرف سے ٹیم کو تحفے پیش کئے گئے ہمارے پاس جوابی تحفہ دینے کے لئے کوئی معقول چیز نہ تھی کرنل دارا نے فوراً ہاکی کے ایک گنبد پر ساری ٹیم سے دستخط کرائے اور میزبانوں کو یہ کہہ کر پیش کی کہ

''زمین کی طرح یہ گنبد بھی گول ہے اور جس طرح اس کا کوئی کنارہ نہیں اسی طرح ہماری دوستی کا بھی کوئی کنارہ نہیں۔''

پاکستانی سفارت خانے کی طرف سے یوسف عزیز اور مشتاق نہ صرف ہمیں الوداع کہنے آئے بلکہ ان کی کوششوں سے ہمارے سامان کی بکنگ اور جہاز کی سب سے اگلی نشستوں کا انتظام بھی بہت احسن طریقے سے ہوگیا۔ پی آئی اے کے گراؤنڈ سٹاف نے بھی ہماری مدد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور ہر مرحلے میں ہمارے ساتھ ساتھ رہے۔ ڈیپارچر لاؤنج میں نیاز نائیک صاحب سے ملاقات ہوئی جو بہت معروف سابق بیوروکریٹ ہیں اور اب بھی کسی اہم معاملے میں یہاں آئے ہوئے تھے' بہت نفیس' ملنسار اور دھیمے آدمی ہیں ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ ادب سے بھی خاصا شغف رکھتے ہیں۔

جہاز میں داخل ہوئے تو ایک خوش رو اور خندہ جبیں ایئر ہوسٹس نے یوں مسکرا کر پذیرائی کی سارا کیبن روشن ہوگیا بعد میں سمیرا وصی نامی اس خاتون نے بتایا کہ وہ ہم میں سے اکثر لوگوں کی قاری اور مداح ہے اور اسے ہمیں دیکھ کر دلی خوشی ہو رہی ہے۔ منیر نیازی کو اچانک پھر سے یاد آگیا کہ وہ میٹھے نمک اور چکنائی سے پرہیز کرتے ہیں سو سمیرا نے ساری فلائٹ میں وقتاً فوقتاً جہاز میں موجود ہر کھائی جاسکنے والی چیز انہیں چکھادی' نیازی صاحب کے پیٹ کا حال تو اللہ جانتا ہے البتہ ان کا موڈ ضرور بحال ہوگیا اور انہوں نے ایک بہت مزے لطیفہ سنایا۔

ایک صاحب کسی شرابی کو سمجھانے کی غرض سے کہہ رہے تھے۔

''کیا تمہیں علم ہے کہ اگر شراب کو کسی درخت کی جڑ میں ڈالا جائے تو درخت جل جاتا ہے۔''

شرابی نے چند لمحے سوچا اور پھر کہا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کسی آدمی کے پیٹ میں درخت ہو تو شراب سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

بروہی صاحب نے ''بیوٹی فل'' کا نعرہ لگایا تو سمیرا جو اس وقت ان کے کپ میں چائے ڈال رہی تھی۔ ایک دم شرما سی گئی بروہی صاحب نے اسے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''لڑکی' اس جہاز کی ہر چیز میرے سمیت پرانی ہے' بس تو واحد چیز ہے جو تازہ اور فریش ہے۔''

بروہی صاحب کے اس ''تو'' میں ایک ایسی بزرگانہ شفقت تھی کہ سمیرا کی آنکھیں محسونیت کے احساس سے مزید روشن ہو گئیں۔

اسلام آباد ائیر پورٹ پر اترے تو آ گرو صاحب' شیر محمد اور طارق شاہد چینی سفارت خانے کے عملے کے ایک رکن کے ساتھ وی آئی پی لاؤنج میں ہمارے منتظر تھے۔ رات کا ایک بج رہا تھا معانقوں' مصافحوں اور مسکراہٹوں کے درمیان ہم لوگ اسلام آباد ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے جہاں ہمیں ایک دن رک کر اکادمی ادبیات پاکستان کی طرف سے منعقد کی جانے والی پریس کانفرنس میں اپنے دورہ چین کے تاثرات بیان کرنا تھے اور مختلف فلائٹوں سے اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہونا تھا جہاں خیریت کی خبر کے ساتھ ساتھ ہماری آمد کی اطلاع بھی پہنچا دی گئی تھی۔

اسلام آباد کی کشادہ اور روشن سڑکوں پر موٹر کی کھلی کھڑکی سے آتی ہوئی سرد اور لطیف ہوا میرے چہرے کو چھو رہی تھی اور میری آنکھوں میں گزشتہ دو ہفتوں کے دوران دیکھے ہوئے مختلف مناظر اور چہرے جیسے ایک دوسرے پر سپر امپوز ہوتے چلے جا رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ دنیا بھر کے منظروں کا حسن اپنی جگہ' مگر وطن کی مٹی کی خوشبو کا کوئی ثانی نہیں' ہم لوگ کتنے خوش نصیب ہیں کہ خدا نے ہمیں پاکستان جیسا حسین ملک عطا کیا ہے کاش ہم اس میں موجود امکانات کو بھرپور طور پر بروئے کار لا سکیں' میرے اندر جیسے کسی نے سرگوشی کی۔ مگر کب!

بیجنگ

نگاہ شاعر مشرق کی پیش بینی نے
ہمالیہ کے جو چشمے ابلتے دیکھے تھے

نمو کے جوش نے دریا بنا دیا ہے انہیں
ہر ایک آنکھ میں ٹھہرے تھے جتنے خواب گراں
نگار صبح کا چہرا بنا دیا ہے انہیں

ہر ایک شے سے نمایاں ہے لذت تعمیر
ہر ایک نقش ہے اک شاہکار محنت کا
بس ایک خواب ہی دیکھا تمام آنکھوں نے
ہر ایک بوئے گا خوشیاں ہر ایک کاٹے گا

ہر ایک رشتہ الفت میں استوار بھی ہیں
یہ لوگ ایک بھی ہیں اور بے شمار بھی ہیں

جہان نو کی حسیں صبح کا نکھار ہیں یہ
یہ شہر باغ ہے اور قاصد بہار ہیں یہ

◆◆◆